اعلیٰ سائنٹسٹ کا پہلا سائنسی خیز حیرت انگیز اور قہقہہ آمیز

شمارہ

خونی قہقہے

مصنف

ابوصفی بی، اے



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنسنی خیز، تجسس اور چٹپٹی کہانیوں کا گلدستہ

ماہنامہ

جاسوسی دنیا

کراچی

نگرانِ اعلیٰ
الحاج محمد داؤد بی اے (علیگ)

ایڈیٹر — آدل جہانگیری
منیجر — فقیر محمد فرید

جلد ۱

جاسوسی دنیا پبلیکیشنز
رنچھوڑ لائن۔ کراچی

عنوانات

شاہ ایران کے بھائی ہاتھیوں کا شکار کرتے ہوئے زخمی ہو گئے

چٹاگانگ ہل ڈسٹرکٹ کے ڈپٹی کمشنر مسٹر نیلٹ کی ہلاکت

ڈھاکہ: چٹاگانگ کے کوہستانی علاقہ کے ڈپٹی کمشنر لفٹیننٹ کرنل ای ایچ نیلٹ بندربن میں شاہ ایران کے بھائی شہزادہ غلام رضا پہلوی کے ساتھ شکار کی مہم میں ہاتھی سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ شہزادہ غلام رضا پہلوی اور گورنر فضل الحق کے ملٹری سکریٹری کرنل ایم ایس گوہر بھی اس ہاتھی پر سوار تھے۔

ایجنسی فرانس پریس کی اطلاع کے مطابق شہزادہ غلام رضا اور کرنل گوہر بھی ہاتھی سے گر کر زخمی ہوئے۔ لیکن ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کی اطلاع کے مطابق انہیں کوئی گزند نہیں پہنچی۔ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جبکہ شہزادہ غلام رضا پہلوی پاکستان اور برما کی سرحد کے قریب بندربن میں چاٹگام ہل ڈسٹرکٹ کے ہیڈ کوارٹرز وانگ منی کے ایک جنگل میں اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ شکار کی مہم پر جا رہے تھے۔ اچانک ان کے ہاتھی لال بہادر نے جنگلی ہاتھیوں کے ایک جھنڈ کو گھنے جنگل سے نکلتے دیکھا۔ جنگلی ہاتھی لال بہادر کو دیکھ کر چنگھاڑنے لگے۔ لال بہادر غصے میں بپھر کر جنگلی ہاتھیوں پر حملہ کرنے کے لئے دوڑا۔ شہزادہ غلام رضا اور ان کے ساتھی ایک جھٹکے کے ساتھ ہودے سے گر پڑے۔ کرنل نیلٹ ہاتھی کے سامنے جا پڑے اور ہاتھی ان کو روندتا ہوا جنگلی ہاتھیوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔

بی پی کمپنی کے کیشیئر کے قتل اور ڈکیتی کا مقدمہ

مجسٹریٹ نے چھ ملزموں کو سیشن سپرد کر دیا

کراچی: ایک مقامی مجسٹریٹ مسٹر ظاہر حسین نے چھ افراد کو ایک مقدمہ قتل کے سلسلے میں سیشن سپرد کیا ہے۔ ملزمان رحیم گل، شبیر احمد، محبوب، اور علی محمد اور ذکی پر بی پی کمپنی کے کیشیئر کے قتل اور ڈکیتی کے الزام میں مقدمہ چل رہا تھا۔ استغاثہ کے بیان کے مطابق بی پی کمپنی کے مقتول کیشیئر ۲۲ ستمبر کو تیرہ ہزار روپے لے کر بینک سے واپس آ رہا تھا کہ ملزمان اسے گزری لے گئے، جہاں اسے انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا۔ اور رقم لے کر فرار ہو گئے۔ اور مقتول کیشیئر کی لاش انھوں نے گزری میں ریت کے نیچے دبا دی۔ بعد میں پولیس نے ملزمان کو گرفتار کر لیا۔

مرغی کے انڈے پر پُراسرار عبارت

تھرپارکر: سید معجز نقوی اطلاع دیتے ہیں کہ ضلع تھرپارکر کی تحصیل ڈگری میں ایک صاحب کی مرغی نے تقریباً آٹھ انڈے دیے جن پر پُراسرار الفاظ نقش ہیں ان میں سے ایک انڈے پر بالکل صاف "حکومت پاکستان" لکھا ہوا ہے۔ تحصیل کے اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق اس انڈے کو دیکھنے چلے آ رہے ہیں۔ جہاں پر وہ انڈے رکھے ہوئے ہیں آدمیوں کا چوبیس گھنٹے ہجوم رہتا ہے۔ انتظام کرنا مشکل ہو گیا ہے۔



فری اسٹائل

گھنٹی کی آواز نے اونگھتے ہوئے چپراسی کو چونکا دیا۔ وہ گھبرا کر اسٹول سے کھڑا ہو گیا۔ اور چق اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر خالدی کو ہمارا سلام بولو" چیف انسپکٹر اقبال نے چپراسی سے کہا۔ اور چپراسی کمرے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد ایک گٹھیلے جسم کا خوبرو نوجوان سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس کمرے میں داخل ہوا۔ جسے دیکھ کر چیف کے تھرکتے ہونٹوں اور چہرے پر ہلکی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تشریف رکھئے۔۔۔۔ کہاں چلے گئے تھے۔ آج سویرے سویرے میں دو بار چپراسی کو بھیج چکا ہوں۔" چیف نے چشمہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ! کوئی خاص بات نہیں وہ فیروز ۔۔۔۔"

"کیا فیروز کا معاملہ تھا —— کام کی غیر موجودگی میں یہ نت نئی شرارتوں پر اتر آیا ہو" چیف نے خالدی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ کل کے واقعے سے باخبر ہیں! خالدی نے حیرت سے پوچھا"

معاف کیجئے میں صرف فوزی چیف نہیں ہوں جناب۔۔۔ بوڑھے چیف نے دانت نکالے۔
اوہ! میرا یہ منشا نہیں۔ بلکہ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کل شام آپ ریکس ہوٹل میں موجود تھے
خالدی نے استفسار کیا "ہاں میں فیروز کے بالکل قریب تھا۔ لیکن اس حلئے میں نہیں ——
بڑے غضب کا ڈانس کرتا ہے یہ چھوکرا۔ یقین جانو زوردار تھا" اس کے سامنے فن کے لحاظ سے
بالکل بچہ ہے۔ بہرحال کل کا سب سے بہترین فقرہ کہو وہ تھا جب جانسن نے فیروز کی مرمت کی تھی
پورا ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ اور یہ بیچارے ایک صوفے پر نیم بیہوش پڑے تھے۔ اچھا!
جبھی آج صبح سے بھائی کا موڈ خراب ہے۔" خالدی نے مسکراتے ہوئے کہا" مگر یہ مسکراہٹ
مصنوعی تھی۔ اس کا دل بری طرح ندامت محسوس کر رہا تھا۔ کیوں کہ ایک تو فیروز اس کا اسسٹنٹ
تھا۔ دوسرے اب وہ خالدی کے یہاں ہی رہ رہا تھا۔ اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ ایسی کسی
غلطی کا مرتکب ہو جس سے لوگوں کو انگشت نمائی کا موقع ملے۔ مگر فیروز کا یہ چھچھورا پن نہ جانے کبھی
نہ جانے اسے فیروز کی وجہ سے بار بار ذلیل ہونا پڑتا تھا۔ اور آج وہ چیف انسپکٹر اقبال کے
روبرو بھی اپنے آپ کو ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

اوہ! آپ کس سوچ میں پڑ گئے۔ مسٹر خالدی" چیف نے کہا" فیروز بڑے کام
کا لڑکا ہے۔ جتنا وہ فرصت میں کھلنڈرا اور احمق نظر آتا ہے کام کے وقت اس سے
کہیں زیادہ بردبار اور دور اندیش ہو جاتا ہے۔

نہیں میں سوچ رہا تھا کہ فیروز۔۔۔۔۔۔

اجی چھوڑئیے بھی —— اوہ! ہاں میں نے جس کام کے لئے بلایا تھا وہ تو باتوں میں
رہا جاتا ہے۔ دراصل آج شام کراؤن اسٹیڈیم جا رہے ہیں۔" چیف نے کہا"

فری اسٹائل مقابلے میں" خالدی نے پوچھا"

ہاں ڈی۔ آئی۔ جی کا حکمنامہ آج صبح موصول ہوا تھا۔ کہ چند وزراء اور گورنر
جنرل آج کے افتتاحیہ مقابلے میں شرکت کر رہے ہیں۔ اس لئے پولیس فورس کے علاوہ

انہیں بھی حفاظتی انتظامات کے لئے مدعو کیا گیا ہے —— یہ بہتر ہے آپ نو بجے تک
اپنے سادہ پوشوں کو وہاں متعین کر دیں۔

بہت بہتر" خالدی نے کہا اور مصافحہ کرتے ہوئے رخصت ہو گیا۔

چیف کے کمرے سے نکل کر پہلے وہ اپنے روم میں گیا۔ یہاں اس نے اپنے ماتحت
عادل کو کراؤن اسٹیڈیم کے انتظامات کے بارے میں چند ہدایات دیں۔ پھر اس کے بعد
ہیڈ کوارٹر سے وہ سیدھا کوٹھی پہنچا۔ کار کو گیراج میں کھڑی کر کے جس وقت وہ برآمدے میں
داخل ہوا۔ تو اس کے کانوں میں دھڑ دھڑ کی آواز گونجی جیسے کوئی پٹاخے داغ رہا ہو۔ وہ
سیدھا فیروز کے کمرے کی جانب بڑھتا۔ اور جس وقت اس نے —— زنے کا پردہ ہٹایا۔
تو اسے بے اختیار ہنسی آگئی۔ فیروز ایک بچکانہ امریکن پستول سے ایک بیجان شے پر نشانہ
باندھ رہا تھا۔

فیروز کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ اپنے کام میں ایسا منہمک تھا کہ اسے
خالدی کی آمد کا مطلق احساس نہ ہوا۔ ابے او تیس مار خاں" خالدی نے اسے مخاطب کیا"
آں۔۔۔۔ جی نہیں مجھے ساٹھ مار خاں کہئے" فیروز نے مڑ کر دیکھتے ہوئے
ٹھنک کر کہا —— اب میں اس پہلوان کے بچے جانسن کو نہیں چھوڑوں گا۔
تو کیا کل کی پٹائی بھول گئے" خالدی نے شرارت سے پوچھا"
آپ کو کیا معلوم کہ میں وہاں پٹ رہا تھا۔ یا قوالی گا رہا تھا" فیروز نے ڈھٹائی
سے کہا"

اسے چیف انسپکٹر اقبال بھی وہیں موجود تھے۔ اور انہوں نے خود جانسن
کے ہاتھوں تیری حجامت بنتے دیکھی ہے۔" خالدی نے کہا"
غلط بالکل غلط میں تحقیق کر چکا ہوں۔ کہ وہ موچی ہے۔ حجام نہیں اور پھر آپ

خود دیکھ لیجئے۔ میری حجامت ابھی تک برقرار ہے۔ یہ کہتے ہوئے فیروز سر جھکا کر حجامت دکھانے لگا۔ اور جیسے ہی خالدی نے اس کے سر پر چپت لگانی چاہی وہ فوراً ہٹ گیا۔۔۔

نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔ مجھے مالش کی قطعی حاجت نہیں۔

دیکھو فیروز مجھے تمہاری یہ حرکتیں قطعی پسند نہیں" خالدی نے سنجیدگی سے کہا" تمہاری وجہ سے میرے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اگر تم معقولیت سے کام نہیں کر سکتے۔ تو بہتر ہے۔ کام چھوڑ دو۔۔ اور کسی تھیٹر میں ڈانسر یا جوکر کا پارٹ ادا کرنے لگو۔

مشورہ تو واقعی سو فیصدی صحیح ہے" کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں سر"

ہیں۔ تمہارا سر توڑ دوں گا۔" خالدی نے گرج کر کہا" تم یہ نہیں کہ عوام بلکہ فرانا بالائنگ کی نظر میں بدنام ہو چکے ہو۔

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔۔ فیروز بے تعلقی سے گنگنانے لگا۔

چپ رہو گدھے" خالدی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا" ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔

لیجئے گدھا چپ ہو گیا" اس نے اپنا منہ بند کرتے ہوئے کہا"

اچھا اب سیدھی طرح جا کر تیار ہو جاؤ ہمیں ابھی کراؤن اسٹیڈیم چلنا ہے۔

کشتی میں۔۔۔۔۔ لیکن وہاں جانسن ہوگا اور میں اس کمبخت کا بھیجہ۔۔۔

۔۔۔ اوہ میں تو چپ ہوں۔۔ اس نے خالدی کی قہر آلود نگاہوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

کراؤن اسٹیڈیم تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ گیلریوں کے وسط میں ایک اونچا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ جس کے چاروں طرف رسے کھینچ دئے گئے تھے۔ ایک طرف کرسیوں پر انگریز پہلوانوں کی پارٹی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور دوسری طرف۔ مقامی

پہلوانوں کے رنگین صافے چمک رہے تھے۔

آج کے مقابلے میں بارڈ اسٹیل ریسلر اور گامو پہلوان کی کشتی ہونے کی تھی پہلا راؤنڈ ختم ہو چکا تھا۔ اور اس میں گامو پہلوان بری طرح پٹا تھا۔ جس کی وجہ سے تماشائیوں میں اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ اور آپس میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں مخصوص مہمان گیلری میں جہاں گورنر جنرل اور وزراء وغیرہ بیٹھے تھے۔ ان کی پشت پر دور بیٹھے ہوئے سارجنٹ فیروز، انسپکٹر خالدی کے کان کھا رہا تھا۔

ہونہہ یہ بھی کوئی کشتی ہوئی۔ داؤں پیچ بس گھونسہ، مکا، پکڑ، دھکڑ میں کہتا ہوں۔ سر! یہ انگریز بڑے چار سو بیس ہیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہم طاقتور ہونے کے باوجود مشرقی پہلوانوں سے محض داؤں پیچ کی وجہ سے ہار جاتے ہیں تو انھوں نے فری اسٹائل کشتی کی پخ نکالی کہ کسی طرح ہم مکوں اور گھونسوں سے مشرقی پہلوانوں کو نیچا دکھا سکیں۔ تاکہ ہر فن میں ہم ان سے اونچے رہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم انگریزوں سے خار واسطے کا بیر رکھتے ہو" خالدی نے جمائی لیتے ہوئے کہا"

اوہ میں تو کچا چبا جاؤں ساری قوم کو۔ کیونکہ جانسن۔۔۔۔۔۔

اب چپ بھی رہو جانسن جانسن کان کھا لئے ہیں تم نے" خالدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے کان کھائے ہیں آپ کے۔ کان دیکھ لیجئے لگے تو ہیں" اس نے بڑی معصومیت سے کہا"

اچھا لگے ہیں! یہ کہتے ہوئے خالدی نے اس کے کان تھام لئے۔

ارے۔۔۔۔۔ ارے۔۔۔ آں ں۔۔۔۔۔ آخوہ چھوڑئیے اوہ وہ دیکھا گامو نے پٹخ دیا سالے کو ہا ہا بڑھا پورے نہیں سہار سکے تھے۔ ایک گھونسہ میری طرف سے

"۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔۔ شاباش جئو بیٹے ۔ سر۔ دیکھئے کتنی اچھی قینچی لگائی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے خالدی کی کرسی پر نظر ڈالی تو وہ خالی تھی۔ "اس نے منہ سکوڑ لیا۔" جب دیکھو سیٹھ کا چکر میری طرف سے کباڑے میں جائیں۔ میں تو کشتی دیکھ کر اکھڑ جاؤں گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کشتی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

تیسرا راؤنڈ ختم ہونے میں صرف چند سیکنڈ باقی تھے۔ کہ گاما نے ہارڈ اسٹیل کو سر سے اونچا اٹھا کر ایسا پٹخا کہ وہ رسوں کے پول پر جا پڑا۔ جس سے اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور مہمان ٹیم میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ ہر طرف سے تحسین و مبارک کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

اس کے بعد اور بھی کشتیاں ہوئیں۔ لیکن مہمان گیلری نصف سے زیادہ خالی ہو چکی تھی۔ گورنر جنرل وغیرہ جا چکے تھے۔ اس لئے فیروز بھی اٹھ گیا۔ اور جس وقت وہ کار تک پہنچا تو خالدی اسٹیرنگ سنبھالے بیٹھا تھا۔

* ——————— *

بہت دنوں سے خالدی کے ہاتھ میں کوئی کیس نہ تھا۔ اس لئے فیروز کی گویا بن آئی تھی۔ اس کی شامیں کلبوں اور ہوٹلوں میں گزرتیں۔ اعلیٰ سوسائٹی میں وہ اچھی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ مگر لڑکیاں اس کے احمق پن اور میٹھی میٹھی دلچسپ گفتگو میں بے حد دلچسپی لیتیں۔ اور اسے ہر وقت کسی نہ کسی لڑکی کا قرب حاصل رہتا۔ جس سے عام نوجوان فیروز سے حسد کرنے لگے تھے۔

جب سے ریکس ہوٹل میں جانسن کے ہاتھوں اس کی مرمت ہوئی تھی۔ تب سے فیروز نے وہاں آنا جانا کم کر دیا تھا۔ اور اب اس کی فرصت زیادہ تر کولبری ہوٹل میں رہتی۔ ویسے تو وہ اپنے بناؤ سنگھار پر خاص توجہ رکھتا تھا۔ لیکن آج چونکہ مس میرینا مارتھا نے اسے کولبری میں ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ اس لئے اس نے گویا

کوٹھی سر پر اٹھا لی تھی۔ ملازم بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ اس کا کمرہ ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان نظر آ رہا تھا۔ ڈنر سوٹ کے انتخاب میں اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کون سا سوٹ پہنے اور یہی حال ٹائیوں اور جوتوں کے انتخاب میں تھا۔ بہرکیف خدا خدا کر کے یہ مسئلہ حل ہوا۔ تو پھر ایک بار شیو اور حمام کی سوجھی اور اس میں اسے پانچ بج گئے۔ وہ تو کہئے خیریت ہوئی کہ خالدی صاحب گھر پر نہ تھے۔ ورنہ رنگ میں بھنگ ہو جاتا۔ الغرض فیروز کو کولبری پہنچتے پہنچتے ساڑھے سات بج گئے۔

ہال میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے اپنی ریزرو میز کی طرف گئی لیکن میز پر نظر پڑتے ہی وہ حیران رہ گیا۔ میرینا کے ساتھ جانسن بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس کی نگاہوں میں ریکس ہوٹل کا منظر رقص کرنے لگا۔ اور اس کی رگِ انتقام پھڑک اٹھی۔ اس نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ تو کچھ مانوس اور کچھ غیر مانوس نگاہیں اسے گھورتی نظر آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ میرینا کی میز کی طرف بڑھنے لگا۔ جانسن میرینا میں کچھ اس قدر کھویا ہوا تھا۔ کہ اسے گرد و پیش کا کوئی احساس نہ تھا۔ لیکن مارتھا کچھ گھبرائی ہوئی سی تھی۔ اور وہ بار بار ادھر ادھر دیکھنے لگتی تھی۔ فیروز کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اور ہونٹوں پر خفیف تبسم رقص کرنے لگا۔

او وہ پرویز تم نے بہت دیر کر دی۔" فیروز نے میرینا سے اپنا یہی نام بتایا تھا۔ وہ اسی طرح عام لوگوں میں مختلف ناموں سے مشہور تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اس کی اصلیت سے آشنا ہوں۔ خالدی بھی اس کی اس عادت سے بڑا خوش تھا۔ کہ خواہ کیسا ہی معاملہ کیوں نہ ہو وہ اپنے آپ کو چھپائے رکھتا تھا۔ بہرحال میرینا کے اس جملے پر جانسن اس کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"کہو کیا پھر ہاتھ پیروں میں درد ہو رہا ہے۔" جانسن نے اس کا مضحکہ اڑایا۔"

اس شیٹ کا پریشن تمہارے پاس ۔۔۔ ہے ۔ اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا ۔

کیا مطلب جالسن گرجا "

مطلب یہ کہ چپ چاپ میری سیٹ سے کھسک جاؤ ۔۔۔ ورنہ " فیروز نے دانت پیستے ہوئے بلند آواز میں کہا "

ورنہ کیا ؟ جالسن چیختا ہوا کرسی سے اٹھا "

ورنہ ۔۔۔ ورنہ ۔۔۔ ورنہ میں خود چلا جاؤں گا ۔ " فیروز نے بزدلوں کی طرح ممیاتے ہوئے کہا "

فیروز کے اس جملے پر اس پاس کی میزوں پر قہقہے بکھر گئے ۔ اور میرینا پر تو گویا ہنسی کا دورہ پڑ گیا تھا ۔ مگر فیروز نہایت اطمینان سے کھڑا ہوا جالسن کو گھور رہا تھا ۔ جو ہنستا ہوا پھر کرسی پر بیٹھ گیا تھا ۔

تم نے سنا نہیں ، الّو کی دم " فیروز نے اسے پھر للکارا "

جاؤ خوبصورت چھوکرے یہ قیمتی سوٹ گھر جا کر اتار آؤ ورنہ تمہارے ڈیڈی بہت پیٹیں گے ۔ " جالسن نے اس کا مضحکہ اڑایا "

ہائیں ۔۔۔۔ تم نے کیسے سمجھ لیا ۔ کہ یہ سوٹ میرے ڈیڈی کا ہے ۔ کہیں تم ان کے دھوبی تو نہیں ۔ " فیروز پر حماقت کا دورہ پڑ گیا ——— اس جملے پر پھر کچھ لفنگی قہقہے گونج اٹھے ۔

اب اس دھوبی کے بچے کو میں ابھی ٹھیک کر دوں ۔ جالسن یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا کہ فیروز نے اس کے پیٹ پر ایک گھونسہ جڑ دیا جالسن اس غیر متوقع حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھا ۔ گھونسہ پڑتے ہی وہ دوہرا ہو کر بیٹھ گیا ۔ اور اس نے پوری قوت سے اس پر حملہ کر دیا ۔ مگر فیروز بجلی کی سی سرعت کے ساتھ جھک گیا ۔ اور جالسن کا فولادی مکّا ہوا میں لہرا کر رہ گیا ۔ وار خالی جانے سے جالسن بائیں جانب کچھ جھک گیا ۔ اور یہی لمحہ فیروز کے لئے کارآمد ثابت ہوا ۔ اس نے بڑھ کر اس کے سر پر ایک دو ہتھڑ رسید کیا ۔ بس جالسن کرسی پر لڑھک گیا ۔ اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا فیروز نے جھک کر اس کے دونوں پیر پکڑ لئے اور انہیں ایک دم اوپر اٹھا کر پیچھے پلٹ دیا جس سے وہ پچھلی کرسیوں میں الجھتا ہوا دوسری میز پر جا پڑا ۔

اس ناگہانی جھگڑے سے ہوٹل میں چیخ و پکار پڑ گئی ۔ اور لوگ کرسیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے ۔ میرینا ایک کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی ۔ اور سہمی ہوئی نگاہوں سے فیروز کو تک رہی تھی ۔ اور فیروز قہر آلود نظروں سے جالسن کو گھور رہا تھا ۔ جو میز سے اٹھ کر کسی فلمی بدمعاش کی طرح کوٹ اتار رہا تھا ——— کوٹ اس نے میز کی طرف اچھال دیا ۔ اور بڑھ کر ایک کرسی اٹھائی ۔ ارے چچا جالسن کہیں کرسی نہ مار دینا ۔ میرا تو بھیجا پلپلا ہو جائے گا ۔ " فیروز نے چیخ کر کہا " جالسن نے جونہی کرسی اوپر اٹھائی کہ ایک گرجدار آواز گونجی " ٹھہرو "

اس آواز پر سب کی نگاہیں ادھر اٹھ گئیں ۔ گیلری میں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا قدآور شخص بر جسں کوٹ اور رنگین صافہ باندھے کھڑا ہوا انہیں گھور رہا تھا ۔ اس نے اپنی گھنی سیاہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا " یہ ہوٹل ہے فری اسٹائل دنگل نہیں " یہ شریفوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے ۔ اگر لڑنے کا شوق ہو تو باہر نکل جائیے ۔ ورنہ میں تم دونوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گا ۔ " منیجر صاحب آپ ایسے لفنگوں کو ہوٹل میں قدم ہی کیوں رکھنے دیتے ہیں ۔ " وہ منیجر سے مخاطب ہوا جو ہال میں ایک طرف سہما ہوا کھڑا تھا "

فیروز نے جالسن پر نظر ڈالی وہ کرسی رکھ کر کوٹ پہن رہا تھا ۔ اس لئے وہ چپکے سے باہر نکل گیا ۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جھگڑا زیادہ طول کھینچے یا پولیس تک بات جائے ۔

بہر حال ہوٹل سے نکل کر وہ سیدھا ساحل کی طرف نکل گیا جہاں دل آرام ہوٹل میں اس کا [illegible] اور [illegible] گھنٹہ والے [illegible] تھا ۔

نیلی لاش

فیروز مشکل دو ڈھائی گھنٹے سویا ہوگا۔ کہ فون کی متواتر گھنٹیوں نے اسے بیدار کر دیا۔

اوہ! کون ہے بابا.... سالی پولیس کی ملازمت نہ ہوئی غلامی ہو گئی " اس نے بڑبڑاتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا "

ہیلو...... ہاں میں فیروز بول رہا ہوں........ اوہ آپ....... اچھا!! مگر کیسے کب..... اف بڑا غضب ہوا ــــ جی جی...... جی.... بہت اچھا ابھی ....جی.... بہت اچھا.... شب بخیر" اس نے ریسیور رکھ دیا اور آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا ــــ سلیپنگ گاؤن گلے میں ڈالتا ہوا وہ کمرے سے نکلا۔ خالدی کی خوابگاہ کے قریب جا کر اس نے دروازہ پر دستک دی۔ دو تین آوازوں پر خالدی جاگ گیا۔

کون ہے؟ " خالدی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز گونجی "

میں ہوں فیروز دروازہ کھولئے " فیروز نے کہا "

چند منٹ بعد کمرے میں روشنی ہو گئی اور دروازہ کھل گیا۔

کیوں کیا بات ہے " خالدی نے پوچھا "

جلد تیار ہو جایئے " فیروز نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا "

آخر معاملہ کیا ہے کچھ کہو بھی " خالدی نے اکتائے ہوئے لہجہ میں کہا "

اجی معاملہ بڑا سنگین ہے...... گاموپہلوان کا قتل ابھی ابھی آئی جی کا فون آیا تھا۔ انھوں نے ہدایت کی ہے۔ کہ چونکہ گامو کی شخصیت بین الاقوامی شہرت کی مالک تھی اس لئے محکمہ کو جلد از جلد قاتل کا سراغ لگانا ہے۔ ورنہ بڑی بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ تو بہت برا ہوا فیروز صاحب " خالدی نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا "

مگر سب سے برا ہماری نیند کا ہوا ــــ آخر محکمہ میں کیا آپ ہی رہ گئے جو ہر ایک کے پھٹے میں پیوند لگائیں۔

اچھا اب باتیں مت بناؤ۔ اور جلدی سے تیار ہو کر موٹر سائیکل نکالو " خالدی نے اٹھتے ہوئے کہا "

کچھ دیر بعد ان کی موٹر سائیکل صاف و شفاف سڑک پر پھسل رہی تھی۔ فیروز پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا ــــ اس وقت ساڑھے تین کا عمل تھا۔ سڑکیں ویران اور تمام شہر خموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان کی موٹر سائیکل اپنی تیز آواز بکھیرتی ہوئی گھنی آبادی سے نکل کر مٹبل روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ جہاں کھلی ہوئی آبادی بنگلوں اور کوٹھیوں کی شکل میں تھا۔ اور یہاں سکون پسند قسم کے لوگ آباد تھے۔ اور آگے چل کر آبادی ہلکی ہوتے ہوتے سمندر کے ساحلی علاقہ میں ماہی گیروں کے کچے مکانوں اور جھونپڑوں سے جا ملی تھی۔ سڑک کے کنارے ہر کمبی لائٹ کی مدھم سی روشنی میں دو طرفہ درختوں کی قطاریں بازو پھیلائے خاموش کھڑی تھیں۔ جن میں ان کی موٹر سائیکل انتشار پھیلا رہی تھی۔ کچھ دور چلکر ان کی موٹر سائیکل ایک پرانی طرز کی کوٹھی کے سامنے جا کر رکی جس کے پھاٹک پر تاج منزل لکھا ہوا تھا۔ سہمے ہوئے بوڑھے دربان نے پولیس دیکھ کر فوراً پھاٹک کھول دیا۔ دربان کی مو

ن ہوئی۔ پورٹیکو میں پولیس کار کھڑی تھی، اور جا بجا سرخ ٹوپیاں چمک رہی تھیں وہ سب انھیں دیکھتے ہی اٹینشن ہو گئے۔

خالدی اور فیروز سلامی لیتے ہوئے جونہی برآمدے میں داخل ہوئے۔ پولیس انسپکٹر ظفر عالم سے مڈبھیڑ ہو گئی جو موٹر سائیکل کی آواز سن کر باہر آ رہا تھا۔

"او، آپ آ گئے مسٹر خالدی میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا" ظفر نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا"

"لاش کہاں ہے" خالدی نے پوچھا"

"خوابگاہ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آئیے وہیں چلتے ہیں" یہ کہہ کر ظفر ان لوگوں کو ساتھ لیے خوابگاہ کی طرف بڑھا۔

خوابگاہ کے قریب پہنچکر انھیں عورتوں کے رونے پیٹنے کی آواز آئی اور خالدی سوالیہ نگاہوں سے ظفر کو دیکھنے لگا۔

"او، فکر نہ کیجیے میں نے سب کو ہٹا کر اپنے آدمیوں کو متعین کر دیا ہے، وہ لوگ برابر کے کمرے میں ماتم کناں ہیں۔"

جب وہ خوابگاہ میں داخل ہوئے تو خالدی نے علاوہ پولیس کے ایک بوڑھے شخص کو اور دیکھا۔ جو ایک کرسی پر سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

"یہ تاج بابا ہیں نگاموں کے چچا" ظفر نے سرگوشی کے لہجہ میں اسے بتایا "

"ہوں" کہتا ہوا خالدی مسہری کی طرف بڑھا۔ اور جب اس نے پردہ ہٹایا تو اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ گورا چٹا تندرست نگاموں جسے اس نے صرف تیز یوم پہلے دیکھا تھا۔ عجیب وحشتناک انداز میں پڑا تھا بدن کی رنگت ہلکی نیلی ہو چکی تھی۔ چہرے اور گردن کی رگیں ابھری نیلی اور ہری ہو کر ابھر آئی تھیں۔ اور آنکھیں حلقوں میں ٹھنسی ہوئی تھیں۔

"بعینہ لاش اسی حالت میں پائی گئی تھی" وہ ظفر سے مخاطب ہوا "

"نہیں یہ فرش پر پڑے ہوئے پائے گئے تھے۔ بعد میں گھر والوں نے انھیں یہاں لٹایا ہے۔" ظفر بولا "سب سے پہلے اس کمرے میں کون داخل ہوا" خالدی نے پوچھا"

"میں" تاج بابا نے کہا۔ جو کہ اٹھ کر خالدی کے قریب آ چکے تھے۔ انھوں نے ویران اور نم آلود نگاہوں سے ایک بار نگاموں پہلوان کو دیکھا۔ اور اپنا سر تھام کر فرش پر بیٹھ گئے۔

"ظفر صاحب آپ انھیں دوسرے کمرے میں لے جائیے۔ میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ پھر لاش پر جھک گیا۔ فیروز تمام کمرے کو چوہے کی طرح ٹٹولتا پھر رہا تھا۔ اور اس وقت کوئی شخص اسے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ وہی کھلنڈرا فیروز ہے۔ جب وہ پشتی کھڑکی کے قریب پہنچا تو ٹھٹھک گیا۔ کیونکہ وہ بند تھی مگر چٹخنی کھلی تھی۔ اس نے آہستہ سے کھڑکی کھولی۔ اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے کھل گئی۔ باہر باغ کا اجالا پھیل چکا تھا۔ پھر بھی اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر کھڑکی کی کارنس کو غور سے دیکھا۔ جہاں نم آلود مٹی بکھری ہوئی تھی۔ پھر اس نے کھڑکی کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد جب وہ وہاں سے پلٹا تو اس کا چہرہ بشاش تھا۔

"کہیے شرلاک ہومز صاحب کیا سراغ لگایا" خالدی نے مسکراتے ہوئے پوچھا"

"پہلے آپ بتائیے کہ آپ کا کیا اندازہ ہے" فیروز نے سوال کیا"

"ٹھہرو!" خالدی یہ کہہ کر مسہری کے سرہانے لگی ہوئی میز کی طرف جھپٹا اور بڑھ کر وہاں پڑی ہوئی ٹائم پیس کو اٹھا لیا"

"او، اس میں تو ساڑھے بارہ بج رہے ہیں" فیروز چیخا"

"ہاں تمہاری شکل کی طرح" یہ کہہ کر اس نے گھڑی رکھ دی۔ اور میز پوش کو غور سے دیکھنے لگا۔ جس پر ایک گول دائرہ بنا ہوا تھا۔ جیسے کوئی بھاری پیندے دار چیز کے رکھنے سے اکثر بن جاتا ہے۔

"فیروز میاں قاتل۔ ہیرو تو ضرور ہے مگر بدھو معلوم ہوتا ہے" خالدی نے کہا"

"نہیں اس کا نام جمعہ خاں ہے" فیروز بولا"

لیجئے !

سیدھی سی بات ہے کہ آج جمعہ ہے اگر قاتل بدھ کو ہوتا تو یہ خون بدھ کو ہوتا " فیروز نے بڑی معصومیت سے کہا "

اچھا اچھا پروفیسر صاحب اب چلئے ذرا تاج بابا سے مل لیں " خالدی نے مسکراتے ہوئے کہا "

برابر کے کمرے میں انسپکٹر ظفر اس کا منتظر تھا۔ جہاں تاج بابا اور ان کے دو ملازم موجود تھے۔ خالدی نے دونوں ملازموں کو باہر ٹھہرنے کو کہا اور خود تاج بابا سے مخاطب ہوگیا۔

ہاں اب بتائیے کہ پہلوان کے قتل کی اطلاع آپ کو کب اور کس طرح ہوئی۔

قتل !! ---- اوہ ---- ہاں ٹھیک ہے۔ وہ یکدم چونک سا پڑا۔ اور دوسرے ہی لمحہ اس کی حالت پھر اعتدال پر آگئی ------ میں حسب معمول رات کو تقریباً گیارہ بجے شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ " اس نے کہنا شروع کیا " میں بے خبر سو رہا تھا۔ کہ ایک تیز چیخ سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ دوبارہ پھر آواز آئی۔ اور اس بار میں نے پہچان لیا کہ یہ گاموں کی چیخ تھی۔ میں بھاگ کر کمرے سے باہر نکلا۔ دیکھا تو شریف بھاگا ہوا آرہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ پہلوان کا کمرہ بند ہے اور وہ اندر چیخ رہے ہیں۔

یہ شریف کون ہے " خالدی نے پوچھا "

شریف ہمارا معتمد خاص ہے۔ اور گاموں کا مشیر تھا۔

ہوں پھر آپ نے کیا کیا ؟

بس میں شریف کے ساتھ گاموں کے کمرے کی طرف بھاگا۔ اور جیسے ہی میں کمرے کے نزدیک پہنچا۔ کہ ایک عجیب بھیانک قہقہہ کمرے میں گونجا جسے میں نے اس وقت کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن اب مجھے شبہ ہوتا ہے۔ بلکہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ پہلوان کا قہقہہ قطعی نہ تھا ——— میں گھبرایا ہوا تو پہلے ہی تھا۔ مگر اس عجیب و غریب آواز کو سن کر اور بھی بے چین ہو گیا۔ میں نے پہلوان کو آوازیں دیں۔ مگر اب کمرے میں بالکل سکوت طاری تھا۔ میں نے کواڑ کی دراڑ سے اندر جھانکا تو میری روح کانپ گئی۔ گاموں فرش پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس اثناء میں گھر کے سبھی لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس لئے سبھوں نے مل کر دیکھتے ہی دروازہ توڑ ڈالا۔ اور سب کے سب اندر داخل ہو گئے۔ میں نے بڑھ کر گاموں کو اٹھایا۔ مگر اب وہ ایک سرد لاش تھا ------ میرا گاموں مجھ سے روٹھ گیا تھا۔ اس کے بعد پھر ہم میں سے کسی کو کوئی ہوش نہ رہا -------- یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔ اور آنکھیں نم آلود ہو گئیں۔

اچھا اب میں شریف اور دیگر ملازموں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں " خالدی نے کہا "

شوق سے پوچھئے اور جو جی میں آئے کیجئے۔ مگر خدا را جلد سے جلد قاتل کو ڈھونڈ نکالئے میں اس کا خون پی جاؤں گا۔ میں اس کی ہڈیاں چور چور کر دوں گا۔ تاج بابا اور بھی نہ جانے کیا کیا غصے میں بڑبڑاتے رہے۔ اور خالدی فیروز سے متوجہ ہو گیا۔

ارے بھئی یہ ظفر کہاں چلے گئے فیروز ؟ خالدی نے پوچھا "

انھیں میں نے فنگر پرنٹ ڈپارٹمنٹ کو فون کرنے بھیجا ہے " فیروز نے بتایا "

یہ اچھا کیا تم نے ! اچھا اب جاؤ ذرا شریف کو بلا لاؤ " خالدی نے کہا "

کچھ دیر بعد فیروز شریف کو ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوا۔ جب وہ قریب پہنچے تو خالدی نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک دبلے پتلے جسم کا دراز قد اور گندمی رنگ کا شخص تھا۔ عمر کے لحاظ سے وہ کسی طرح چالیس سے کم نہ تھا۔ اور سر کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے۔

آپ کا نام " خالدی نے پوچھا "

شریف۔

آپ یہاں کتنے دنوں سے ملازم ہیں ؟

تقریباً چودہ سال سے نمک کھا رہا ہوں " شریف نے سوچ کر بتایا "

نمک کھارہے ہو یعنی صرف نمک پر گزارہ ہے" فیروز نے پر مذاق انداز میں کہا "

جی۔۔۔۔ جی ہاں۔ یعنی یہاں کے ٹکڑوں پر پل رہا ہوں۔" اس نے انکساری سے کہا۔

"تم خاموش رہو فیروز" خالدی اسے تنبیہہ کرتا ہوا شریف سے مخاطب ہوا۔

"تمہارے ذمہ کیا کام ہے؟ خالدی نے پوچھا "

میں ایک طرح سے پہلوان کے پرائیویٹ سکریٹری کے فرائض انجام دیتا تھا۔" شریف نے کہا"

تم نے پہلوان کو آخری بار کب دیکھا تھا۔" خالدی نے سوال کیا"

میں پونے دس بجے سے ساڑھے دس بجے رات تک ان کے پاس کمرے میں بیٹھا ہوا دوسرے دن کے پروگرام پر تبادلہ خیال کرتا رہا تھا۔۔۔۔۔۔

ٹھہریئے! مجھے تفصیل سے بتایئے۔ پروگرام وغیرہ یعنی میرا مطلب کس قسم کا پروگرام بناتے رہے۔" خالدی نے قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا "

دراصل ہم لوگوں کا یہ گویا معمول تھا۔ کہ شام کے کھانے کے بعد آنے والے دن کے لئے پروگرام بناتے تھے۔ اور چونکہ آج گاموں کے بھائی چاند پہلوان کی کشتی تھی اس لئے ہم دونوں تقریباً ایک گھنٹہ تک اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ اس وقت پہلوان بالکل ٹھیک تھے۔ اور حسب سابق بڑے شگفتہ اور خوش نظر آ رہے تھے۔ ہم لوگ تقریباً ساڑھے دس بجے تک اسی مسئلے میں الجھے رہے۔ لیکن بدھوا کی آمد نے مجھے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ پہلوان کا یہ اصول تھا۔ کہ بدھوا کے آجانے کے بعد وہ بستر پر لیٹ جاتے تھے۔ اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔

یہ بدھوا کون ہے؟ اور پہلوان کے کمرے میں کیوں آتا تھا؟ فیروز نے پوچھا "

جی! گوالا ہے ــــــ ہماری بھینسوں کی دیکھ بھال اسی کے ذمہ تھا وہ پہلوان کے لئے رات کو دودھ لاتا تھا۔ جسے پہلوان سوتے وقت پیتے تھے" شریف نے کہا

تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ وہ کل رات بھی تمہاری موجودگی میں آیا تھا۔ اور دودھ لایا تھا۔ خالدی نے پوچھا "

میرا حافظہ ایسا نہیں کہ دس گھنٹے قبل کی بات یاد نہ رہ سکے " شریف نے کہا "

دودھ کس قسم کے برتن میں تھا" خالدی نے پوچھا "

ان کے لئے ایک ڈھائی سیر کی نقرئی ڈھکن دار بالٹی مخصوص تھی۔ اور اسی میں ان کا دودھ آتا تھا۔" شریف نے جواب دیا "

ہوں۔۔۔۔۔۔۔ اچھا فیروز ذرا بدھوا کو بلاؤ۔" خالدی نے فیروز سے کہا " اور پھر شریف سے مخاطب ہو گیا۔ تاج بابا قریب کی ایک آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ اور چہرے سے غم و فکر کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

ہاں شریف صاحب اب آپ پھر اصل موضوع پر آجایئے۔ اور سلسلہ وار بتلایئے کہ بدھوا کی آمد کے بعد پھر کیا ہوا۔" خالدی نے پوچھا "

بس پھر کیا ہونا تھا۔ بدھوا جب دودھ لیکر آیا تو میں پہلوان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور قریب ساڑھے گیارہ بجے سو گیا۔ پھر پہلوان کی چیخ سن کر اٹھ پڑا فوراً باہر نکل کر پہلوان کو آوازیں دیں دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ میں گھبراہٹ میں بابا کے کمرہ کی طرف بھاگا۔ جہاں بابا ہمیں! ہمیں [illegible] سکے۔ اور ہم دونوں پھر پہلوان کے کمرے میں پہونچے۔ جہاں اب چیخیں تو نہیں آ رہی تھیں۔ مگر ایک عجیب پر جوش قہقہہ کی آواز نے ہمیں ضرور چونکا دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خالدی صاحب جلدی چلئے! بدھوا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ پولیس انسپکٹر ظفر نے کمرے میں داخل ہو کر گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا "

کیا!!" تاج بابا چونک پڑے " شریف بھی یہ دہشتناک خبر سن کر سہم گیا۔ اور حیرت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ لیکن خالدی بالکل مطمئن تھا "

ظفر صاحب آپ گاموں کے کمرے میں ٹھہریں۔ میں ابھی آتا ہوں یہ کہکر اس نے شریف
کو ساتھ لیا اور کمرے سے نکل گیا۔

حویلی کی پشت پر ایک طرف بھینسوں کا باڑہ تھا۔ اور دوسری جانب چہار دیواری
سے ملے ہوئے ملازموں کی کوٹھریاں نما کمرے بنے تھے۔ اور اس سے آگے بڑھ کر کونے
میں اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ شریف اور خالدی جب بدھوا کی کوٹھری پر پہنچے۔ تو باہر فیروز
موجود تھا۔ اور اس کے قریب ہی ایک اور شخص کھڑا تھا۔ جس کے کپڑے کسی قدر
گندے ہو رہے تھے۔

اور لیجئے صاحب نہ شد دو شد" ابھی ایک کا کفن بھی نہ تیار ہوا کہ دوسرا بھی مانگنے
لگا۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ کمبخت کواڑ بند کر کے مرا ہے۔" فیروز نے خالدی سے کہا"

خالدی بغیر کوئی جواب دئے دروازے پر گیا۔ اور جھانک کر اندر دیکھا جہاں
روشندانوں سے ہلکی ہلکی روشنی چھن رہی تھی۔ جس سے کوٹھری کی ہر چیز صاف نظر آ رہی
تھی۔ خالدی نے دیکھا کہ کوٹھری کی کچی زمین پر ایک بے جان لاشہ ڈھیر ہے۔

تمہیں اس حادثہ کی اطلاع کس سے ملی تھی۔ فیروز" خالدی نے سیدھے کھڑے
ہوتے ہوئے فیروز کو مخاطب کیا۔

میں نے مالی سے بدھوا کو بلوایا تھا۔ لیکن وہ اس مرنے کی خبر لایا۔ اور میں ظفر صاحب
کو لے کر یہاں پہنچ گیا۔

شاید مالی یہی شخص ہے۔ اچھا آؤ دروازہ پر زور آزمائی کریں۔ یہ کہہ کر خالدی دروازہ
پر زور لگانے لگا۔ اور ساتھ ہی شریف، فیروز وغیرہ سب شامل ہو گئے۔

چند منٹ بعد دروازہ ٹوٹ گیا۔ اور جو لوگ اندر داخل ہوئے کوٹھری کے
وسط میں ایک شخص ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے کروٹ سے پڑا تھا۔ جس کے سینے میں
ایک چاقو پیوست تھا۔ اور خون نکل نکل کر زمین میں جذب ہو رہا تھا۔ بدن میں کئی جگہ

خراشیں تھیں۔ اور دونوں ہاتھ زیادہ زخمی تھے۔ جن سے خون رس رس کر جم گیا تھا۔ خالدی دیر
تک اس پر جھکا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اور ایک نظر بدھوا کے پلنگ پر ڈالی۔ اس
کے بعد وہ پشتی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جو باہر سڑک پر کھلتی تھی۔ لیکن یہاں بھی وہ یہ دیکھ کر
حیران ہوا۔ کہ کھڑکی کی چٹخنی کھلی ہوئی ہے۔ لیکن کواڑ بھڑے ہوئے تھے۔ اس نے کھڑکی کھول
کر باہر کا جائزہ لیا۔ اور اس کے بعد وہ کھڑکی کے ذریعہ دوسری طرف پھاند گیا۔ اور دیر تک کھڑکی
کے نیچے کی کچی زمین کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد وہ اوپر آ گیا۔ اب کمرے میں علاوہ فیروز و
شریف کے اور بھی کئی افراد اور خود تاج بابا موجود تھے۔ سب کے چہرے لٹکے ہوئے اور آنکھیں
پریشان!!

بابا مجھے وہ بالٹی درکار ہے جس میں پہلوان کے لئے دودھ جاتا تھا۔" خالدی نے تاج
بابا کو مخاطب کیا "

جی! .... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کا طریقہ تفتیش کیا ہے۔ بھلا کہاں گاموں
کے دودھ کی بالٹی اور کہاں اس بدھوا کا قتل۔ غضب خدا کا کہ ایک گھر میں دو دو قتل اور
آپ بالٹیوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ بھئی عجب تماشہ ہے یہ تو" تاج بابا نے بگڑتے ہوئے تیوری سے کہا"

دیکھئے یہ وقت ان باتوں کا نہیں میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جب آپ لوگ
کمرے میں داخل ہوئے اس وقت بالٹی وہاں تھی ——— اگر تھی تو وہاں سے کس نے اٹھائی
جبکہ وہاں اب نہیں ہے" خالدی نے سنجیدگی سے کہا"

دیکھئے جہاں تک ہم لوگوں کا تعلق ہے ہم نے بالٹی نہیں اٹھائی البتہ شاید کسی اور نے
اٹھائی ہو" شریف نے کہا"

بہتر ہے آپ خود جا کر گھر میں معلوم کریں کہ بالٹی کہاں ہے" خالدی نے کہا"

"تاج بابا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے
خالدی نے انھیں وہیں چھوڑا۔ اور خود باہر نکل آیا۔ اور سیدھی ہری روش پر ٹہلنے لگا۔ اسے

شریف کی واپسی کا انتظار رہا۔ لیکن اس سے پہلے کہ شریف واپس لوٹے کہ فنگر پرنٹ ڈپارٹمنٹ کا عملہ اور ایمبولینس کار آ گئی۔ اور خالدی اس میں مصروف ہو گیا۔ اس نے فوٹو گرافر کو چند جگہوں سے فوٹو لینے کی ہدایت کی اور بدحوا کی لاش کا بھی ایک پوز لیا۔ اس کے بعد وہ فوٹو گرافروں کو حویلی میں لے گیا۔ جہاں کاموں کے کمرے سے چند جگہوں کے فوٹو لئے گئے۔ اس کے بعد چند ضروری کارروائیوں کے بعد لاشیں پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجدیں۔ ان کاموں سے فراغت کرکے خالدی شریف کی طرف متوجہ ہوا۔

ہاں جناب وہ بالکل ملی" خالدی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا"

نہیں حضور کسی شخص نے نہ تو وہاں سے ہٹائی ہے اور نہ ہی گھر میں موجود ہے" شریف نے بتایا"

مجھے یہی امید تھی خیر اب مجھے اس کی حاجت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ہاں یہ بابا کہاں ہیں" خالد نے پوچھا"

شاید وہ زنانخانے میں ہوں۔ کیونکہ لاش کے جانے سے اندر کہرام مچا ہوا ہے" شریف نے کہا"

اچھا تو پھر اب میں چلتا ہوں" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ فیروز ایک طرف کھڑا ہوا کونے میں لگی ہوئی ایک بڑی سی تصویر دیکھنے میں محو تھا۔

میرے ننھے بچے فیروز گھر چلو بہت تصویریں دیکھ چکے" خالدی نے مسکراتے ہوئے پھبتی کسی

نہیں ابا جان یہ تصویر مجھے بڑی پیاری لگ رہی ہے میں اسے ضرور لوں گا۔ ہنہ ہنہ" اس نے بچوں کی طرح ٹھنکتے ہوئے کہا"

ارے فیروز کے بچے میں کہتا ہوں کہ جلدی چلو بہت کام ہے" خالدی نے گھڑکی دکھائی"

دیکھئے سر یہ تصویریں لئے بغیر نہ جاؤں گا" فیروز نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور وہ فرش پر بیٹھ گیا"

میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔ میں تو جا رہا ہوں۔ اب تم پیدل گھسٹنا" یہ کہہ کر خالدی مڑا" ارے ارے اٹھتے تو۔ میں یہ کہہ رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کیا ہے؟ جو کہنا ہو جلدی کہو" خالدی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا"

فیروز کھڑا ہو گیا اور خالدی کے قریب آکر کہنے لگا کہ جس شخص کی یہ تصویر ہے۔ اس کو میں نے کوٹھی ہی میں نہایت عجیب و غریب حالت میں دیکھا ہے۔

خالدی اٹھ گیا۔ اور تصویر کے قریب جا کر غور سے دیکھنے لگا۔ تصویر ایک جوان العمر اور تندرست شخص کی تھی۔ جس کے چہرے کی ساخت نہایت کرخت اور مکروہ تھی۔ جس پر بڑی بڑی مونچھیں اس کے چہرے کو اور بارعب بنائے ہوئے تھیں۔

یہ تو ہمارے چھوٹے سرکار ہیں" شریف نے فخریہ انداز میں کہا"

یعنی تاج بابا کے صاحبزادے" خالدی نے متعجب ہو کر پوچھا"

جی ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن" شریف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لیکن کیا؟" خالدی نے استفسار کیا"

تاج بابا کو ان کی طرف سے بڑا دکھ ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا بیٹا میری ہی طرح ملک کا ایک نامور پہلوان بنے۔ اور انہوں نے کوشش بھی بہت کی مگر ان کے چال چلن خراب ہو گئے اور اب یہ حالت ہے کہ مہینہ دو مہینہ میں ایک آدھ چکر ہو جاتا ہے۔ ورنہ وہ باہر ہی رہتے ہیں اس لئے تاج بابا کو بڑی پریشانی رہتی ہے۔

کیا نام ہے ان کا" خالدی نے پوچھا"

چاند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چاند پہلوان جو کہ پہلوان کم اور چاند زیادہ اور چاند بھی وہ جس کا گھر تاریک اور بازار روشن" شریف نے بڑی خرمردگی سے کہا"

وہ آخری بار یہاں کب آئے تھے ۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے انہیں آئے ہوئے اکت ہوئے" خالدی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا"

ابھی پرسوں ہی تو آئے تھے۔ بڑے خوش تھے۔ گھر کے تمام ملازموں کو انعامات دئے تھے۔ مجھے بھی بیس روپے دے گئے ہیں۔" شریف نے پرمسرت لہجے میں کہا "

بدھوا کو کیا دیا تھا؟" خالدی نے اچانک سوال کیا "

مجھے صحیح علم نہیں۔ کیونکہ بدھوا حویلی میں نہیں تھا۔ اس لئے وہ خود اس کی کوٹھری کی طرف چلے گئے تھے۔ مگر ہاں! بدھوا بتا رہا تھا کہ اسے چاند میاں نے پچیس روپے دئے ہیں .... بڑے من موجی ہیں ہاتھ میں جو بھی آیا دے دیا ورنہ مجھے بیس اور بدھوا کو پچیس؟!

کام کیا کرتے ہیں؟" فیروز نے پوچھا "

سارجنٹ صاحب یہی کام دھندے کا تو پتہ نہیں مگر رہتے بڑے ٹھاٹ سے ہیں ...

اوہ! ذرا ٹھہرئے اچھا یاد آیا ایک دن بابا سے بتا رہے تھے کہ راجر طیرام پورا انہیں کچھ وظیفہ دیتے ہیں۔

اچھا جناب اب ہم چلتے ہیں۔ یہ کہکر خالدی کمرے سے نکل گیا۔ حویلی کے باہر انسپکٹر ظفر سے ملاقات ہوگئی۔ اور یہ سب ایک ہی کار میں بیٹھکر واپس لوٹے۔

گنجا منیجر

سورج غروب ہوچکا تھا۔ اور دن کا اجالا آہستہ آہستہ سیاہی میں تحلیل ہو رہا تھا۔ بازاروں کی رونقیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اور رنگین قمقمے جگمگا اٹھے تھے۔

خالدی اپنے کمرے میں نہ جانے کس خیال میں الجھا ہوا تھا۔ اور اسے روشنی جلانے کا بھی خیال نہ رہا۔ اور نہ ہی ادھر کسی ملازم کا گذر ہوا۔ کہ وہ سوئچ آن کر دیتا۔ وہ اسی سرمئی اور دھندلی فضا میں سر جھکائے اپنے خیالات کے تانے بانے بنتا رہا۔ اور نہ جانے کب تک وہ اسی میں غرق رہتا۔ اگر فیروز آکر اسے ہوشیار نہ کر دیتا۔

کہئے یہ اندھیرے میں سوگوار کیوں بیٹھے ہیں" فیروز نے بجلی جلاتے ہوئے کہا "

اوہ .... ہاں یعنی اندھیرے میں دور کی سوجھ رہی تھی مجھے .... کہو کیا خبر لائے" خالدی نے پوچھا "

خبر یہ ہے کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ اور پرنٹس سائن رپورٹ ایک گھنٹہ بعد حاضر خدمت ہو جائیگی۔ مگر سوال یہ ہے کہ ....

"مجھے تمہارے سوالوں سے کوئی دلچسپی نہیں" خالدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے آپ کو دلچسپی ہو یا نہ ہو مگر مجھے ہے۔ یعنی گامو پہلوان تاج بابا کا کون تھا۔ اور چندا ماموں .... اوہ چاند پہلوان کا کیا قصہ ہے۔

"دیکھو میرا دماغ مت چاٹو" خالدی نے کہا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا"

"مجھے صرف ایک بار دماغ چاٹ لینے دیجئے۔ اور پوری بات بتا دیجئے۔ ورنہ میں سارے کا سارا دماغ ہڑپ کر جاؤں گا۔" فیروز نے شرارت سے کہا"

"ارے بھئی اوہ .... کیسے بیوقوفوں سے پالا پڑا ہے کہ اتنی سیدھی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ——— تاج بابا نے اپنے بیٹے چاند کو پہلوان بنانا چاہا۔ مگر اس کے چال چلن بگڑ گئے۔ ادھر گامو کے والد چھوٹے پہلوان کا انتقال ہو چکا تھا۔ جو کہ تاج بابا کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور گامو بے سہارا تھا۔ اس لئے تاج بابا نے اسے متبنیٰ کر لیا۔ اور اس پر ریاض کیا جس میں بابا کامیاب رہا۔ اور گامو کا مستقبل بن گیا۔ مگر اب اس کا مستقبل صرف اسی کا نہیں بلکہ پورے خاندان کا مستقبل گامو کی قبر میں دفن ہو گیا۔ یہ ہے ذرا سی تفصیل جو ایک چھوٹا بچہ بھی اپنی طور سے معلوم کر سکتا تھا۔

"اوہ! دیکھئے آپ کو ایک اہم بات سے پہلو بچا رہے ہیں۔ یعنی بدھوا کا قتل چہ معنی دارد۔ قاتل نے ہمارا ایک ثبوت ضائع کر دیا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں لیکن اس نے اس طرح خود اپنے منہ سے نقاب نوچ کر اپنا چہرہ دکھا دیا ہے۔" خالدی نے کہا"

"اور وہ چہرہ آپ نے دیکھ لیا ہے" فیروز نے طنز کیا"

"جی ہاں! بالکل آپ کی طرح ہے۔" خالدی نے مسکراتے ہوئے کہا"

"خواہ قاتل کوئی ہو۔ لیکن یہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ نہایت موٹی عقل کا۔ اوچھا اور جذباتی اور سطحی شخص ہے۔" فیروز نے پُر خیال انداز میں کہا"

"اوہو! پروفیسر صاحب بڑی دور کی کوڑی لا رہے ہیں۔ آپ تو ——— اچھا بتائیے کہ قاتل نے کہاں کہاں غلطی کی ہے۔ جس سے حضور کو اس میں یہ عیوب نظر آ گئے۔ اور اس کے بار ٹنڈر کا طریقہ کار کیا تھا؟" خالدی نے اسے چھیڑا"

"دیکھئے قاتل نے کسی نہ کسی طرح بدھوا کو اس سازش میں شریک کر لیا۔ اور جب وہ رات کو دودھ لے کر پہلوان کے کمرے میں جانے لگا۔ تو اس میں کوئی تیز قسم کا زہر ملا دیا۔ اور بدھوا دودھ رکھ کر چلا آیا۔ رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے جب گامو نے مطالعہ سے فرصت پائی تو اس نے دودھ پیا مگر ابھی سارا دودھ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا۔ اس نے بمشکل بالٹی رکھی مگر پھر بھی ٹائم پیس گھڑی گر گئی۔ اور وہ اسی وقت بند ہو گئی پہلوان کے بدن میں چونکہ طاقت تھی۔ اس لئے وہ چیخنے لگے۔ جس سے شریف کی آنکھ کھل گئی۔ اور جب وہ دروازہ پر پہنچا تو پہلوان فرش پر گر چکے تھے۔ اسی لئے اس کے آوازیں دینے پر پہلوان نہ بول سکے۔ اور وہ تاج بابا کی طرف بھاگا۔ اسی اثنا میں قاتل جو کہ کھڑکی کے پاس کھڑا سارے کرشمے دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا اور بالٹی اٹھا کر واپس جانے لگا۔ لیکن پھر قدموں کی آہٹ (جو کہ بابا اور شریف کے پیروں کی تھی) سن کر ایک مصنوعی قہقہہ لگایا۔ اور پھر کھڑکی سے نکل گیا۔ وہاں سے نکل کر وہ سیدھا بدھوا کی کوٹھری میں پہنچا۔ اور اسے بھی ختم کر دیا۔ کہ مبادا وہ بھانڈا پھوڑ دے اس کے بعد وہ پچھلی کھڑکی سے باہر نکل گیا۔

"شاباش .... ہر چند کہ اس میں چند خامیاں ہیں۔ مگر اصل واقعہ ہے کچھ اسی طرح .... اچھا یہ تو ہوا طریقہ کار اب اس کی خامیاں بتاؤ" خالدی نے کہا"

"میرے خیال میں قاتل نے پہلی غلطی تو یہی کی کہ اس سازش میں بدھوا کو شریک کیا۔ بجائے اس کے وہ یہ کرتا۔ کہ اور کسی بہانے یا طریقے سے بھی وہ دودھ میں زہر ملا سکتا تھا۔

قاتل نے دوسری ٹھوکر یہاں کھائی۔ کہ وہ کھڑکی کے پیچھے دیر تک نم آلود مٹی پر کھڑا رہا جس کی وجہ سے جوتوں کے نشانات صاف بن گئے۔ علاوہ اس کے کھڑکی پر انگلیوں کے نشانات بھی چھوڑ گیا۔ اگر اس میں ذرا بھی سوجھ بوجھ ہوتی تو انہیں صاف کر سکتا تھا۔ پھر طرفہ تماشہ یہ کہ

"۔۔ صیا طریقہ مارا ہے جس سے اس کا اچھا ہونا ثابت ہوتا ہے"

"اچھا اب اپنی قابلیت کو ترک کیجئے اور جلدی سے تیار ہو جائیے۔ ہمیں ابھی کوبری ہوٹل پہنچنا ہے۔" خالدی نے کہا"

"ہوٹل اور آپ . . . . میرا مطلب ہے آج یہ بد پرہیزی کیسی" فیروز نے کہا"

"اب باتیں مت بناؤ من تو لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ اب مجھے نصیحت فرمائی جا رہی ہے۔ چلو جلدی کرو۔"

"اجی میں ابھی تیار ہوا۔" فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا"

کچھ دیر بعد فیروز کپڑے تبدیل کر کے آگیا۔ اس وقت تک خالدی بھی تیار ہو گیا تھا۔ اور دونوں کوبری ہوٹل روانہ ہو گئے۔

کوبری ہوٹل ساحل سمندر پر واقع ہے۔ جس کے ایک طرف نیلے سمندر کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ اور دوسری طرف مارٹن روڈ کی کشادہ اور صاف ستھری سڑک جس کے سینے پر ہزاروں چلتی ہوئی کاریں اور ٹیکسیاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت کوبری کالنٹی عمدہ روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اور جلتے ہوئے برقی قمقموں کا عکس سمندر میں بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے سمندر جاگ رہا ہو۔ سامنے کا منظر ہمیشہ بڑا دلچسپ اور رنگین ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہاں کنارے پر پانی گہرا تھا۔ جس پر لکڑی کا پلیٹ فارم ڈال کر اسے بالکل گھاٹ کی طرح بنا دیا گیا ہے جس پر مٹی بچھا کر گھاس اگائی گئی ہے۔ اور جا بجا پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی ہیں۔ اس ہوٹل کی شان و شوکت اور طرز تعمیر کچھ اس قسم کی تھی کہ ساحلی ہوٹلوں اور کلبوں میں اس کا نام صف اول میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بحری کمپنیوں کے افسران اور نیوی کے بیشتر ملازمان یہاں ٹھہرتے تھے۔ اور خصوصاً رات کو یہاں زندگی جاگ اٹھتی تھی۔ اور لڑکی قہقہے اچھلنے لگتے تھے۔ خالدی اور فیروز جب ہوٹل پہنچے تو دس بج چکے تھے۔ جب وہ برآمدے سے گذر کر ہال میں پہنچے

تو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے گنجے سر کے منیجر نے انہیں غور سے دیکھا۔ اور قریب کھڑے ہوئے بارٹنڈر سے کچھ چپکے چپکے کہنے لگا۔ خالدی نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور میزوں کی قطار سے گذرتا ہوا ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بیرے کو کھانے کا آرڈر دیا ——— کھانے سے فراغت کر کے اس نے بیرے کو قریب بلایا۔

"پہلوان یہاں کس وقت آتے ہیں" خالدی نے بیرے سے سرگوشی کے لہجے میں پوچھا"

"جناب میں سمجھا نہیں آپ کس صاحب کو پوچھ رہے ہیں" بیرے نے عاجزی سے کہا"

"چاند پہلوان کو ——— وہ یہاں کب اور کہاں ملتے ہیں" خالدی نے کہا"

"نہیں صاحب میں کسی پہلوان سے واقف نہیں" بیرے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا"

"اچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو برجیس پہنتے اور سر پر صافہ باندھتے ہوں۔ اور ان کی بڑی بڑی مونچھیں اور ذرا تندرست ہیں۔" خالدی نے اسے پوری حلیہ سمجھاتے ہوئے کہا"

"اوہ! یہ تو صاحب کا حلیہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی سیکر صاحب" بیرے نے متعجب ہو کر کہا"

"ہاں وہ کس وقت ملتے ہیں" خالدی نے استفسار کیا"

"ان کا کوئی ٹھیک نہیں"

"خیر کوئی مضائقہ نہیں اچھا یہ لو" خالدی نے اس کے ہاتھ میں پانچ کا نوٹ تھماتے ہوئے کہا اور بیرا خوش ہو کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"آپ چاند پہلوان کے پیچھے کیوں لگ رہے ہیں" فیروز نے منہ کھولا"

"کیوں کیا آپ کا رشتہ دار ہے وہ" خالدی نے مسکراتے ہوئے پوچھا"

"جی ہاں! میرا چچا ہے کیونکہ اس دن اس نے مجھے جان سے بچا لیا۔ ورنہ اس کی کرسی سے میرا بھیجہ پھوٹ گیا ہوتا" فیروز نے بتایا"

"۔۔ علیا طریقہ مار ہے جس سے اس کا اچھا ہونا ثابت ہوتا ہے"

"اچھا اب اپنی قابلیت کو ختم کیجئے اور جلدی سے تیار ہو جائیے۔ ہمیں ابھی کولبری ہوٹل پہنچنا ہے۔" خالدی نے کہا"

"ہوٹل اور آپ ۔ ۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے آج یہ بدپرہیزی کیسی" فیروز نے کہا"

"اب باتیں مت بناؤ ۔ تم تو لٹھ لے کر پیچھے پڑ رہے ہیں اور مجھے نصیحت فرمائی جا رہی ہے۔ چلو جلدی کرو۔"

"اجی میں ابھی تیار ہوا۔" فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا"

کچھ دیر بعد فیروز کپڑے تبدیل کر کے آ گیا۔ اس وقت تک خالدی بھی تیار ہو گیا تھا۔ اور دونوں کولبری ہوٹل روانہ ہو گئے۔

کولبری ہوٹل ساحل سمندر پر واقع ہے۔ جس کے ایک طرف نیلے سمندر کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ اور دوسری طرف نارتھ روڈ کی کشادہ اور صاف ستھری سڑک جس کے سینے پر ہزاروں چلتی ہوئی کاریں اور ٹیکسیاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت کولبری کا لمبی چوڑی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اور جلتے ہوئے برقی قمقموں کا عکس سمندر میں بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے سمندر جاگ رہا ہو۔ سامنے کا منظر ہمیشہ بڑا دلچسپ اور رنگین ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہاں کنارے پر پانی گہرا تھا۔ جس پر لکڑی کا پلیٹ فارم کر کے بالکل گھاٹ کی طرح بنا دیا گیا ہے جس پر مٹی بچھا کر گھاس اگائی گئی ہے۔ اور جا بجا پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی ہیں۔ اس ہوٹل کی شان و شوکت اور طرز تعمیر کچھ اس قسم کی تھی۔ کہ ساحلی ہوٹلوں اور کلبوں میں اس کا نام صف اول میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بحری کمپنیوں کے افسران اور نیوی کے بیشتر ملازمان یہاں ٹھہرتے تھے۔ اور خصوصاً رات کو یہاں زندگی جاگ اٹھتی تھی۔ اور لفنگے قہقہے چہلنے لگتے تھے۔ خالدی اور فیروز جب ہوٹل پہنچے تو آٹھ بج چکے تھے۔ جب وہ برآمدے سے گزر کر ہال میں پہنچے

تو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے گنجے سر کے منیجر نے انہیں غور سے دیکھا۔ اور قریب کھڑے ہوئے بارٹنڈر سے کچھ چپکے چپکے کہنے لگا۔ خالدی نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور میزوں کی قطار سے گزرتا ہوا ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بیرے کو کھانے کا آرڈر دیا ——— کھانے سے فراغت کر کے اس نے بیرے کو قریب بلایا۔

"پہلوان یہاں کس وقت آتے ہیں" خالدی نے بیرے سے سرگوشی کے لہجے میں پوچھا"

"جناب میں سمجھا نہیں آپ کس صاحب کو پوچھ رہے ہیں" بیرے نے عاجزی سے کہا"

"چاند پہلوان کو ——— وہ یہاں کب اور کہاں ملتے ہیں" خالدی نے کہا"

"نہیں صاحب میں کسی پہلوان سے واقف نہیں" بیرے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا"

"اچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو برجیس پہنتے اور سر پر صافہ باندھتے ہوں۔ اور ان کی بڑی بڑی مونچھیں اور ذرا تندرست ہیں۔" خالدی نے اسے پوری حلیہ سمجھاتے ہوئے کہا"

"اوہ! یہ تو صاحب کا حلیہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنی سیکر صاحب" بیرے نے متعجب ہو کر کہا"

"ہاں وہ کس وقت ملتے ہیں" خالدی نے استفسار کیا"

"ان کا کوئی ٹھیک نہیں"

"خیر کوئی مضائقہ نہیں اچھا یہ لو" خالدی نے اس کے ہاتھ میں پانچ کا نوٹ تھماتے ہوئے کہا اور بیرا خوش ہو کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"یہ آپ چاند پہلوان کے پیچھے کیوں لگ رہے ہیں" فیروز نے منہ کھولا"

"کیوں کیا آپ کا رشتہ دار ہے وہ" خالدی نے مسکراتے ہوئے پوچھا"

"جی ہاں! میرا چچا ہے کیونکہ اس دن اس نے مجھے جان سے بچا لیا۔ ورنہ اس کی کرسی سے میرا بھیجہ پھوٹ گیا ہوتا۔" فیروز نے بتایا"

"اوہ! تو یہ بات ہے جبھی اتنی طرفداری ہو رہی ہے" خالدی فیروز سے مخاطب تھا۔

مگر اس کی نگاہیں ہال کا جائزہ لے رہی تھیں وہ اپنے اور بیرے کی گفتگو کا ردعمل معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اور بہت جلد وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اس نے کہا کہ گنجے منیجر نے اسی بیرے کو بلا کر کچھ پوچھا اور بیرا ان کی طرف اشارہ کرکے کچھ بتانے لگا۔ جس پر منیجر ان لوگوں کو گھور کر دیکھنے لگا۔ خالدی نیچی نگاہوں سے اس طرح دیکھ رہا تھا۔ کہ منیجر کو خیال تک نہ ہو سکا۔ مگر خالدی اس کی ایک ایک حرکات کو غور سے دیکھتا رہا۔

"اچھا میں چلتا ہوں" فیروز نے ایک دم اٹھتے ہوئے کہا"

یا وحشت ——— کہاں جا رہے ہو ایکا ایکی" خالدی نے متعجب ہو کر پوچھا"

"میں ریکس ہوٹل جا رہا ہوں" اس نے اس جملے کو ذرا زور سے ادا کیا۔ اور خالدی کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتا ہوا باہر چلنے لگا۔

خالدی اسے ہال سے نکلتا ہوا دیکھتا رہا۔ اور جب وہ پردہ ہٹا کر باہر نکل گیا۔ تو اس کی نگاہیں ہال کا جائزہ لینے لگیں۔ کچھ دیر بعد قریب کی میز سے دو آدمی اٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

یہ وقت خالدی کے لئے عجیب کشمکش کا تھا۔ کہ وہ وہیں بیٹھا رہے یا ان کا تعاقب کرے۔ ابھی وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ اس نے منیجر کو آتے ہوئے دیکھا۔ جو اسی کی نشست کی طرف آ رہا تھا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں" منیجر نے قریب پہنچ کر تعظیماً پوچھا"

"ضرور۔۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔۔ فرمایئے کیا خدمت ہے" خالدی نے بڑے خلوص سے کہا"

"کیا آپ میکر صاحب سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں" منیجر نے پوچھا"

"جی ہاں۔"

"لیکن اس کے لئے کسی بیرے سے پوچھنے کی بجائے یہ بات آپ خود مجھ سے پوچھ لیتے کیونکہ یہ کوئی ایسی راز کی بات تو نہیں تھی جس کے لئے اتنی دردسری مول لی آپ نے" اس نے آہستہ آہستہ کہا"

"جس کام کے لئے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں وہ واقعی اپنی نوعیت کے لحاظ سے اہم ہے" خالدی نے کہا"

"کس سلسلے میں بھلا ——— کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں" منیجر نے دبی زبان سے پوچھا"

"میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں" خالدی نے کہا"

"اوہ! کوئی بات نہیں۔ آپ انھیں سے کہیں۔ مگر آج شاید آپ ان سے نہ مل سکیں کیونکہ آج وہ گھر گئے ہوئے ہیں" منیجر نے انکساری سے کہا"

"خود بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اچھا ہاں ٹھیک یاد آیا۔ ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے شاید" خالدی نے اسے کریدتے ہوئے کہا"

"جی۔۔۔ جی ہاں ——— جی ہاں آپ تو۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ ان سے واقف ہیں۔"

خالدی کے جملے نے اسے بوکھلا دیا" اور وہ مشکوک نظروں سے خالدی کو گھورتا ہوا اٹھا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیجئے کل ساڑھے نو بجے رات آپ ان سے ملاقات کر سکتے ہیں" یہ کہہ کر وہ کاؤنٹر پر چلا گیا۔ اور خالدی بہت دیر تک منیجر کی گھبراہٹ کو یاد کرکے مسکراتا رہا۔ کچھ دیر بعد اسے فیروز آتا ہوا نظر آیا۔ وہ سیدھا خالدی کے پاس آیا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

کیا آپ کی جیب میں کچھ روپے ہیں؟

کیوں " خالدی نے پوچھا "

ہم جوا کھیلنے چل رہے ہیں " فیروز نے کہا "

اوہ! تو یوں کہو کہ یہ دونوں لونڈے تمہارے دوست تھے ۔۔۔۔۔۔ لیکن تم نے ہم کا لفظ کس خوشی میں استعمال کیا ہے " خالدی نے شک کا تاثر پوچھا "

آپ بھی کمال کرتے ہیں ۔ اگر وہ میرے دوست ہوتے تو اس طرح باہر بھاگنے کا کون سا تک تھا ۔ دراصل وہ کسی قمار خانے کے دلال ہیں " فیروز نے خیال ظاہر کیا "

اوہ! آپ نے ان پر بھروسہ کر لیا تاکہ اگر وہ کہیں جہنم میں لے جائیں تو ہم آنکھ بند کر کے ان کے ساتھ ہو لیں ۔۔۔ معاف کیجئے فیروز میاں کہیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم ایک ایسی پوسٹ پر ہیں کہ ہمارے سیکڑوں دوست دشمن ہو سکتے ہیں ۔ میری تو خیر کوئی بات نہیں کیونکہ میں یہاں کے لئے بالکل اجنبی ہوں ۔ مگر تمہاری البتہ جان پہچان ہو سکتی ہے ۔ اور پھر دیسے بھی ہمیں دس کاموں میں ہاتھ نہیں ڈالنا ہے ۔ جب تک ہم اس کیس کو مکمل نہ کر لیں اس وقت تک ہمیں کسی طرف دھیان نہ دینا چاہیئے کیونکہ پورے محکمے کی نظریں ہم پر ہیں اور ۔۔۔

اف توبہ! اب بس بھی کیجئے یہ وعظ ۔ آپ نے تو جاسوسی ناول کو " خطبہ " سنا کر شروع کر دیا " فیروز نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "

دیکھا اب نظر " خالدی نے اٹھتے ہوئے کہا "

کیا تھا وہ " فیروز نے بھی اٹھتے ہوئے پوچھا "

خالدی بغیر کوئی جواب دئیے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا برآمدے میں آ گیا ۔ اس نے مرکری لائٹ کی مدھم روشنی میں اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا ۔ برآمدے میں کوئی متنفس نہ تھا ۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے ان پر نظر ڈالی لیکن وہاں بھی اسے سناٹا نظر آیا ۔ البتہ سرخ بجری سے نہائے ہوئے راستہ پر ایک آدھ شخص آ جا رہا تھا ۔ لیکن ان میں کوئی بھی مشکوک نہ تھا ۔

یہاں تو کوئی بھی نہیں ۔۔۔ کہاں ہیں وہ تمہارے قمار باز دوست " خالدی نے فیروز کو مخاطب کیا ۔ جو نہایت اطمینان سے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ٹھونسے سیٹی بجا رہا تھا ۔

معلوم ہوتا ہے آپ کو میرا پروگرام پسند ہے ۔۔۔ وہ لوگ پشتی گھاٹ پر ندی کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھا رہے ہیں ۔ آئیے وہیں چلے چلتے ہیں " فیروز نے تجویز پیش کی "

آں ۔۔۔۔۔ ہاں چلو " خالدی فیروز کو جواب دے رہا تھا ۔ مگر اس کی نگاہیں باہر کی سے ملی ہوئی ریلوے بیل سے چپکی ہوئی تھیں ۔

کیا ہے؟ ۔۔۔ ادھر " فیروز نے پوچھا "

کچھ نہیں! یہ کہہ کر خالدی کار پارک کی طرف مڑ گیا ۔ راستہ ہوٹل کے پہلو سے ایک تنگ گلی کی شکل میں پشتی گھاٹ کی طرف جاتا تھا ۔ آگے بڑھ کر ہوٹل کی عمارت سے لگا ہوا ایک طویل شیڈ پڑا ہوا تھا ۔ جس کے نیچے مہمانوں کی موٹریں کھڑی ہوتی تھیں یہاں روشنی نہایت ناکافی تھی جس سے فضا دھندلی سی ہو رہی تھی ۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ ہوٹل کی پشت پر پہنچ گئے ۔ جہاں رنگین قمقمے جگمگا رہے تھے ۔ ہر طرف چہل پہل تھی ۔ نوجوان جوڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے ۔ اور نقرئی قہقہے کھنک رہے تھے ۔

ارے ابھی تمہارے دوست نظر نہیں آتے " خالدی نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے کہا "

جی ۔۔۔۔۔ فیروز یہ کہہ کر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا ۔۔۔۔۔۔۔۔ چہ چہ چہ میرا خیال ہے میرا لائٹر کہیں بھول آیا ۔

مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اپنے آپ کو کسی دن نہ کھو بیٹھو " خالدی نے گھاٹ کے کنارے

پیر مٹکتے ہوئے کہا"

جی —— آپ کسی دن کہہ رہے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ میں آج ہی بلکہ ابھی کھویا جا رہا ہوں" یہ کہہ کر وہ قریب کھڑی ہوئی ایک اینگلو انڈین لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ جو ریلنگ پر جھکی ہوئی پانی میں پڑتے ہوئے رنگین عکس میں کھوئی ہوئی تھی۔ جو کہ قوس قزح کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

فیروز تم مار کھا جاؤ گے۔ میرے ساتھ رہ کر اگر تم نے شرارت کی، خالدی نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا"

اوہو! تو میں کیا کہہ رہا ہوں سر —— کیا کسی کو دیکھنا گناہ ہے؟ فیروز نے معصومیت سے کہا"

لیکن بار بار دیکھنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا ضرور گناہ ہے —— اور اگر نہ بھی ہو تو میں یہی سمجھوں گا سمجھے"

واہ صاحب واہ یہ تو عجیب دھاندلی ہے۔ یعنی چت بھی میری پٹ بھی میری" فیروز نے جملہ جان بوجھ کر انگریزی میں ادا کیا"

کیا مطلب؟ خالدی نے پوچھا"

مطلب یہ کہ عورتوں کا یہ کہنا کہ ہمیں آدمیوں کے برابر حقوق چاہئیں، اور عورتیں آدمیوں کے دوش بدوش رہیں۔ وغیرہ وغیرہ اور پھر یہ کہ بے پردہ غازہ یا پاؤڈر سے چہرے پر پالش کر کے اپنی چمک دکھاتی پھریں۔ اب آپ بتائیے۔ کہ کیا آدمی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے یا انھیں اپنے دوش بدوش نہ آنے دے اور دیکھئے بھی وہ برابر مرد سے حقوق مانگتی ہیں۔ تو یہ کیا بات ہوئی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس بیٹھے باتیں نہ کرتا بیٹھا رہے چلئے پھرے حتیٰ کہ ٹکرا بھی جائے تو کوئی بات نہیں اور اگر عورت کی طرف کوئی آیا۔ البتہ سر سے پاؤں برابر بکھرا ہو چلئے تو آپ جیسے واعظ منہ چاٹ جاتے ہیں اور۔۔۔

اور اب تم نے برات نامہ "بیوی" شروع کر دیا —— میری بلا سے تم عورتوں کے دوش بدوش چلو یا اس کے سر پر بیٹھ کر میں تو چلا۔" یہ کہہ کر خالدی واپس لوٹا اور ساتھ ہی فیروز بھی چل دیا"

کچھ دیر بعد ان کی براؤن بیوک سڑک کے کشادہ سینے پر پھسل رہی تھی۔

یہ سڑک عام طور سے رات میں سنسان ہی رہتی تھی۔ اکا دکا کاریں یا بجری کی کمپنیوں کی پرائیویٹ بسیں کسی کسی وقت نظر آ جاتی تھیں۔ ورنہ پورٹ سکندر تک ۲۰ میل کی یہ لمبی سڑک بڑی خاموش اور پرسکون رہتی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف لمبے لمبے مال گوداموں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ جو پورٹ سکندر کے پل تک چلے گئے تھے۔ پل سے اترتے ہی یہ سڑک شہر کی مختلف سڑکوں میں گم ہو جاتی تھی۔

اسٹیرنگ پر خالدی بیٹھا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ جس کی نگاہیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اور برابر کی سیٹ پر فیروز بیٹھا شاعری کر رہا تھا — اس کی شاعری بھی ایک عجیب مصیبت تھی۔ کم از کم خالدی کے لئے وبال جان ضرور تھی۔ خصوصاً ایسے موقعوں پر جب وہ کسی الجھن میں ہو یا کسی فکر میں پڑ گیا ہو۔

لیجئے ایک گرما گرم مطلع سنئے۔ کہتے ہیں ؎

عجب ڈرپوک تھے منزل سے بھاگے — بچے طوفاں سے تو ساحل سے بھاگے

خدا کے لئے چپ رہو فیروز" خالدی نے کہا"

اجی چپ کیسے رہیں۔ سنو ہم بھی کوئی گل ہیں کہ ۔۔۔ کہ ۔۔۔ ہاں یہ ہوا لیجئے دوسرا مطلع سنئے ؎

گلہ ان کو ہے کیوں دل دل سے بھاگے — بتائیں کیا کہ ہم کس دل سے بھاگے

ہمارا تعاقب ہو رہا ہے" خالدی نے اس کی شعر خوانی سے بے تعلقی ظاہر کی"

اجی چھوڑئے تعاقب وعاقب کون ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا گئیں کیا"۔۔۔۔

"اچھا یہ بات ہے تو لو پھر یہ" کہہ کر خالدی نے اسپیڈ کم کر دی اور کچھ دور جا کر گاڑی روک دی۔ ان کی کار کے آہستہ ہوتے ہی متعاقب کار کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی کیونکہ اب تک وہ اسی فاصلہ پر تھی۔ جو اس سے پہلے ——— خالدی نے باہر نکل کر بونٹ کھولا اور اس طرح انجن دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ جیسے وہ ابھی اس میں کچھ خرابی ہو گئی ہو پچھلی کار اب قریب آ گئی تھی۔ اس کی رفتار نہایت سست تھی۔ لیکن رفتار خواہ کتنی ہی کم کر دی جاتی پھر بھی اس حالت میں اسے آگے گزرنا ضروری تھا۔ خالدی اپنے کام میں بہ ظاہر مصروف نظر آ رہا تھا۔ مگر اس کی نگاہیں قریب آتی ہوئی سرمئی کار پر لگی ہوئی تھیں اندر تاریکی ہونے کی وجہ سے بیٹھے ہوئے اشخاص نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر کار جب بالکل اس کے قریب سے ہو کر گزری اس وقت اسٹیرنگ پر بیٹھے ہوئے شخص کا جھکا ہوا فلٹ ہیٹ اسے صاف نظر آیا لیکن اس کے سوا اسے کچھ نظر نہ آ سکا۔

پچھلی کار کے آگے نکلتے ہی خالدی نے بونٹ بند کر دیا۔ اور اپنی سیٹ پر آ گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے بدستور اپنی شاعری میں کھویا ہوا تھا۔ خالدی نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور کار اسٹارٹ کر کے اس کے پیچھے ڈال دی اور دو فرلانگ کا فاصلہ دے کر چلنے لگا اس کی ہیڈ لائٹ کی روشنی سرمئی کار کی پشت پر پڑ رہی تھی۔ جس میں پلیٹ نمبر چمک رہے تھے کچھ دور چل کر اگلی کار کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔ اور پورٹ سکندر کی عمارت کے کا پہ وہ بائیں جانب مڑ گئی۔ حالانکہ خالدی نے بھی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔ مگر جب وہ اس موڑ پر پہنچے جہاں سے اگلی کار مڑی تھی۔ تو انہیں وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔۔۔۔۔

"وہم کا کوئی علاج نہیں ——— میں کہتا ہوں کہ ہمارا تعاقب نہیں ہو رہا تھا۔ آپ ہیں کہ جہاں اکیلے دکیلے کوئی موٹر آپ کی موٹر کے پیچھے ہو گئی بس صاحب ہونے لگا تعاقب" فیروز نے شرارت آمیز لہجہ میں طنز کیا۔ خالدی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور اسٹارٹ کر دی۔

"کیا اب ہم گھر چل رہے ہیں؟" فیروز نے پوچھا"

"کیوں کیا شاعری سے دل بھر گیا" خالدی نے پوچھا"

"دل تو نہیں بلکہ دل کا دیوان البتہ بھر گیا ہے ——— مگر یہ آپ نے اس کا کا تعاقب کیوں موقوف کر دیا۔

"اس لئے کہ پھر ان کے ملنے کی پھر امید ہے" خالدی نے کہا"

"یعنی؟؟"

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو متعاقب یہیں پھر ملیں گے۔ وہ ہم لوگوں کا پیچھا کرنا چاہتے ہیں۔" خالدی نے کہا"

"یعنی ہماری شکلیں دیکھنے کے متمنی ہیں ——— ورنہ وہ ہم لوگ گویا۔۔۔

۔۔۔۔ ہائی اتنا ہی۔۔۔۔"

"جی ہاں آپ جیسے خوبرو ہیں" خالدی نے اس کے سر پر چپت جماتے ہوئے کہا "ارے ہاں خوب یاد آیا تمہاری وہ کیا نام ہے ان کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مرنیا مار رکھا۔۔۔۔ آج کل کہاں ہیں؟

"مارے گولی اس ناگن کو" فیروز نے بیزاری سے کہا"

"معلوم ہوتا ہے اس نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے" خالدی نے اسے چھیڑا"

"وہ کیا ٹھکرائے گی سور کی بچی ——— میں نے خود اس کو جوتے کی نوک پر رکھ دیا ہے۔" فیروز نے اکڑتے ہوئے جواب دیا"

"ایسی شیخی نہ بگھارو ورنہ۔۔۔۔۔۔۔"

"ورنہ کیا؟"

"جاسوس تمہیں بری طرح پیٹے گا" خالدی نے کہا"

"ارے وہ الو کیا پیٹے گا ——— اس دن بھرے ہوٹل میں وہ گت بنائی تھی کہ بیٹا کا

مری اسٹائل بنا دہرا کا دہرا رہ گیا تھا۔" فیروز نے فخریہ کہا۔"

اچھا میرے مٹی کے شیر دیکھتا ہوں تم کو نسا تیر مارتے ہو۔ یہ کہہ کر خالدی نے لاٹوش روڈ کو گاڑی موڑ دی۔ سامنے ریکس ہوٹل کی سر بفلک اور خوشنما عمارت روشنی میں جگمگا رہی تھی۔ کار کو گیراج میں کھڑی کر کے جب یہ لوگ اندر داخل ہوئے تو دس بج چکے تھے ہال روم میں ڈانس کا پروگرام تھا۔ اس لئے ہال خالی پڑا تھا۔ خالدی کچھ دیر کاؤنٹر پر رکا منیجر اس سے واقف تھا۔ اس لئے وہ تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ مگر خالدی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بٹھاتے ہوئے فون اٹھا لیا اور نمبر ڈائل کر کے اس نے اپنے اسسٹنٹ عادل کو ایک گھنٹہ بعد گھر پر پہنچنے کو کہا۔ اس کے بعد فون رکھ کر وہ چپ چاپ نہ جانے کس خیال میں گم ہال سے گزرتا ہوا بال روم پہنچا۔ ڈانس شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ کچھ دیر ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں فیروز بہت خاموش رہا تھا۔ کیونکہ خالدی آج غیر معمولی طور پر بوجھل بار نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ اس کی زندگی ان لغویات سے ہمیشہ پاک رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج خالدی کو آخر ہو کیا ہے۔ بہر حال وہ خاموشی سے بالکل ایک وفادار کتے کی طرح خالدی کے پیچھے پیچھے دم ہلاتا پھر رہا تھا ——— بالکل ایک بے جان مشین کی طرح ......

کچھ دیر بعد تالیوں کی گونج میں ڈانس ختم ہوا اور آرکسٹرا کے مدھم نغمے پھوٹ پڑے ——— خالدی اپنی میز پر خاموش بیٹھا ایک ایک کی شکل کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت فیروز سے بالکل بے نیاز تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھا۔ اور ہال سے گزرتا ہوا باہر نکل آیا۔ فیروز اب بھی خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر جب کہ خالدی سنجیدہ ہوتا خاموش ہی رہتا تھا۔ برآمدے سے نکل کر خالد سیدھا گیراج پہنچا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف وہ بڑھ گیا۔ اور ایک منٹ کے لئے اس نے برآمدے کی طرف مڑ کر دیکھا۔ جہاں سے وہ انسانی سر ابھر رہے تھے ——— اس نے فیروز کے کان میں چپکے چپکے کچھ کہا اور فیروز اسے حیرت سے دیکھتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا ......

گیراج میں کھڑی ہوئی متعدد کاروں کی قطار سے خالدی کی بیوک نکلی اور ریجا سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور ایک انسانی سایہ سامنے کی جھاڑیوں میں چھپ گیا ———

اسی لمحہ دو شخص تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آئے اور ایک نیلی رنگ کی کار میں بیٹھ کر اگلی کار کے پیچھے روانہ ہو گئے ———

وہ سایہ جو کچھ دیر قبل جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ اپنی کمین گاہ سے باہر نکلا اور جلدی جلدی گیٹ کے باہر نکل گیا۔ گیٹ کے باہر ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں جن میں سے ایک پر وہ بیٹھ گیا۔

فیروز جب سے اس محکمہ میں آیا تھا اسے سیکڑوں ایسے حادثات اور واقعات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اب اس کے لئے لفظ پر اسرار ایک کھیل بن چکا تھا۔ اور خوف سے وہ بالکل بے نیاز تھا۔

خالدی کے دیار پر وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور اسے علم تھا کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہے کیونکہ لاٹوش روڈ کے کارنر سے مڑ کر جب وہ شاہراہ جہانگیر پہنچا تھا اس وقت سے اب تک وہ ایک نیلی کار کو اپنے پیچھے آتا دیکھ رہا تھا۔

بازاروں میں اب تک گہما گہمی تھی۔ اور ٹریفک خاصہ چل رہا تھا۔ اس لئے وہ کار کو زیادہ تیز نہیں چلا سکتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک غیر معروف سڑک پر کار موڑ لی اور پھر پیچ در پیچ کئی چھوٹی بڑی گلیوں کو قطع کرتا ہوا کوتوالی پہنچا متعاقب کار اب بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ مگر اس کی ہیڈ لائٹس کی مدھم روشنی اب بھی نظر آ رہی تھی۔ فیروز نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور آہستہ آہستہ چل کر کوتوالی کے بڑے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ اس نے کار وہیں روک دی اور جھپٹ کر باہر آ گیا۔ نیلی کار تیزی سے پھاٹک کے سامنے سے گزر گئی۔ اور اس کے چند منٹ بعد ایک ٹیکسی آ کر رکی اور پچھلی نشست سے خالدی

نے سر ہلا کر فیروز کو بلایا اور چپکے چپکے کچھ کہا۔ اس کے بعد پھر ٹیکسی فراٹے بھرنے لگی۔

فیروز نے گاڑی بیک کی اور گھر کی طرف روانہ ہوا ——— کوٹھی پہنچ کر اس نے گاڑی گیراج میں بند کی اور گنگناتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔ اس وقت سوا گیارہ بجا تھا۔ اور اس نے ڈرائنگ روم میں جھانک کر دیکھا تو عادل ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے جب وہ دوبارہ ملاقاتی کمرے میں پہنچا تو عادل موجود تھا۔

"آ گئے آپ مسٹر صفدر صاحب" فیروز نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا" وہ ہمیشہ عادل کو صفدر کہتا تھا جس سے عادل کو بڑی کوفت ہوتی تھی۔ مگر اب اس نے بھی ایک نام ایسا ڈھونڈ لیا تھا جس سے فیروز لڑتا تھا۔

"ہاں بھائی حرام خور آ گیا ہوں۔ فرمایئے کیا حکم ہے" عادل نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا" ——— حرام خور کا نام دراصل چیف انسپکٹر مسٹر اقبال کا رکھا ہوا تھا۔ کیوں کہ ایک بار وہ کچھ زیادہ بگڑ گئے۔ اور اپنے غصے کے عنصر پر قابو نہ پاتے ہوئے اسے حرام خور کہہ گئے جس کے بعد انھوں نے معافی مانگ لی مگر لوگوں نے اسے مذاق بنا لیا جسے عادل نے اب زیادہ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

"تو بھائی صفدر معلوم ہوتا ہے بیوی سے جھگڑ کر آ رہے ہو" فیروز نے کہا

"ہاں وہ کہہ رہی تھی کہ بھائی حرام خور کے پاس مت جاؤ مگر میں نے کہا وہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ میرا پرانا دوست ہے خواہ وہ حرام خور کے بجائے حرام زادہ ہی کیوں نہ ہو" عادل نے مسکراتے ہوئے کہا"

"اسے ادھ عادل کے بچے حد سے باہر مت ہو ۔۔۔۔۔ یعنی میں حرام زادہ ۔" فیروز نے مصنوعی غصے سے کہا"

"چلئے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ آپ کی حد حرام خور ہے ——— اچھا میں اس حد سے نہیں نکلوں گا" عادل نے کہا"

"آج بہت چہک رہے ہو کیا کہیں ہاتھ مار دیا ہے" فیروز نے موضوع بدلتے ہوئے کہا" دراصل وہ عادل کی چرب زبانی سے دبتا تھا۔

"توبہ کرو فیروز بھائی جب سے خالدی صاحب کے ساتھ آیا ہوں تین دن سے تو قطعی ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اور عہد کر لیا ہے کہ خواہ کچھ ہو رشوت کے نام کی سگریٹ بھی نہ پیوں گا۔" عادل نے صفائی پیش کی"

یہ لوگ ابھی انہیں باتوں میں مصروف تھے کہ انسپکٹر خالدی کمرے میں داخل ہوئے۔

"اوہو! آ گئے عادل میاں ——— بیٹھو بیٹھو یہ کہتا ہوا وہ کوچ میں دھنس گیا۔ اس کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"کیا ہوا سر؟" فیروز نے پوچھا۔

"کہتا ہوں سر" خالدی نے جواب دیا"

"یعنی؟؟"

"وہ جُل دے کر نکل گئے ——— کوتوالی پہنچنے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی علاوہ اس کے اگر ہماری گاڑی ہوتی تو ان کا نکلنا محال تھا ——— خیر کوئی بات نہیں ۔۔۔۔ اچھا اب ذرا گرم کافی پلاؤ میں بہت تھک گیا ہوں" خالدی نے فیروز سے کہا"

اس وقت پونے بارہ بجا تھا۔ تمام نوکر آرام کر رہے تھے۔ اس لئے فیروز خود ہی کچن میں جا کر کافی بنانے لگا ——— تھوڑی دیر میں کافی تیار ہو گئی۔ اور پھر جب تینوں پینے بیٹھے تو ان میں آپس میں اس کیس کے متعلق تبادلہ خیالات ہونے لگے۔

"اس واقعے سے مجھے کچھ یقین ہو چلا ہے۔ کہ اس قتل میں ضرور رحمان کا ہاتھ ہے" فیروز نے خیال ظاہر کیا"

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن ۔۔۔۔۔" خالدی کچھ کہتا کہتا رک گیا"

"لیکن دیکھنے میں کچھ نہیں، بات صاف ہے۔ کرچا منہ پہلوان نے کامو کو بیچ کی دیوار سمجھ کر گرا دیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کی جائیداد سے محروم تھا۔"

"لیکن یہی بات میری حلق سے نہیں اترتی" خالدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تارج بابا نے اسے قانونی طور سے عاق کر دیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اب ایک پائی بھی ان سے نہیں لے سکتا۔

مگر قتل کی صرف یہی ایک وجہ تو نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کامو کی ترقی دیکھ کر جلتا ہو" فیروز نے اپنی صفائی چاہی۔

"ہاں ہاں یہی کہہ رہا ہوں کہ سب کچھ ہو سکتا ہے" خالدی نے کہا۔

کافی ختم کر کے خالدی نے ایک سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لیتے ہوئے اس نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔

"اچھا عادل دیکھو کل تمہارا کام یہ ہے۔ صبح وہیکل ڈپارٹمنٹ میں جاؤ، اور پتہ لگاؤ کہ KAM 7013 اور SA-1765 نمبر کی کاریں کس کی ہیں۔ اور...... اچھا بس تمہارے ذمہ صرف یہی کام ہے تم صبح دس گیارہ بجے تک آفس پہنچ جاؤ۔"

دوسرے دن صبح سویرے ہی خالدی اٹھ بیٹھا اور فیروز کو بھی بیدار کر کے جلدی جلدی تیار ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے پوسٹ مارٹم رپورٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی جس میں لکھا تھا کہ ایک نہایت تیز قسم کے زہر سے قتل ظاہر کیا گیا تھا ——— سائنٹفک رپورٹ بھی آ چکی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں رپورٹیں تہہ کر کے رکھ لیں اس کے بعد کار میں بیٹھ کر سیدھا ہیڈ آفس روانہ ہو گیا۔

"ہیلو مسٹر خالدی! آج صبح ہی صبح کیسے تشریف؟" چیف انسپکٹر اقبال نے خالدی کو کمرے

میں داخل ہوتا دیکھ کر پوچھا"

"جی ہاں! کچھ اس کیس کے بارے میں مشورہ کرنا ہے" خالدی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی ذرا جلدی کوشش کرو محکمہ کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے" چیف نے کہا۔

"اسی لئے حاضر ہوا ہوں" یہ کہہ کر خالدی نے دونوں رپورٹیں اس کے سامنے ڈال دیں۔ اور گذشتہ دن کی پوری روئیداد سنا ڈالی۔

"مجھے تو اس معاملے میں کچھ الجھن نظر آتی ہے۔ کوئی بڑی لمبی سازش ——— کیا خیال ہے" چیف نے پوچھا"

"جی ہاں...... لیکن ابھی اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی...

...... وہ ہاں فیروز دیکھو۔ تم یہ پرنٹ رپورٹ لو اور سابقہ ریکارڈ میں دیکھو کہ یہ نشانات کسی سے ملتے ہیں" یہ کہہ کر خالدی نے فیروز کو رپورٹ تھما دی۔ اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"آج کل صاحبزادے کا کیا عالم ہے؟" چیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہی رفتار بے ڈھنگی۔ مگر کام کے وقت ——— میرا مطلب ہے کل سے بھائی سنجیدہ ہیں۔

"اچھا دیکھئے .... مگر نہیں میں لنچ میں آپ سے کچھ گفتگو کروں گا...
" چیف نے کہا"

کچھ دیر بعد خالدی اپنے کمرے میں آ گیا جہاں فیروز فائلوں میں گھسا ہوا تھا۔

"کہو میاں کچھ سراغ ملا" خالدی نے فیروز کو مخاطب کیا"

"اونہوں" فیروز نے نفی میں گردن ہلا دی"

"تو پھر خواہ مخواہ سے کیوں دماغ سوزی کر رہے ہو ——— بس میاں رکھ دو بھی یہیں ایک جگہ چلنا ہے" خالدی نے کہا"

"کہاں چلنا ہے؟" فیروز نے فائلوں کے ڈھیر سے نکلتے ہوئے پوچھا"

جہنم میں!

"لیکن وہاں تو شیطان کا ڈر ہے" فیروز نے معصومیت سے کہا۔

"تم بڑے سور ہو فیروز" خالدی نے باہر لپکتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں میں تو چھوٹا ہوں" فیروز نے پیچھے چلتے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

خالدی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور فیروز نے اسٹیرنگ سنبھال لی۔

"کدھر چلوں سر" فیروز نے پوچھا۔

"ہم تاج بابا کے یہاں چل رہے ہیں" خالدی نے کہا۔

"یوں کہیے کہ آپ کسی نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں" یہ کہہ کر فیروز نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

—— کچھ دیر تہران کی مصروف بازاروں سے گذرتی ہوئی جیپ دو ڈھلکے پرسکون علاقے میں داخل ہوئی جس کے دوسرے چوراہے سے لطف فرید ٹنگ آگئے تاج منزل کی پرانی طرز کی حویلی سر اٹھائے کھڑی تھی ——

فیروز نے گاڑی پورٹیکو میں کھڑی کی۔ اور دونوں حویلی میں داخل ہو گئے۔ ملاقاتی کمرے میں اس وقت تاج بابا ایک ادھیڑ عمر کے شخص سے گفتگو میں مصروف تھے۔

"اوہو! آئیے انسپکٹر صاحب ہم آپ ہی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے ——— آپ سے ملیے آپ ہیں علی جان خاں ہمارے چھوٹے بھائی جو آج ہی طہران سے تشریف لائے ہیں" تاج بابا نے خوش ہوتے ہوئے تعارف کرایا۔

"جی! آج نہیں مجھے طہران سے آئے کوئی ایک ہفتہ ہو گیا۔ لیکن میں اپنے آبائی وطن کرمان چلا گیا تھا۔ البتہ یہاں آج ہی آیا ہوں" علی جان نے ہاتھ ملاتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ——— طہران میں کس سلسلے میں قیام تھا" خالدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اجی سلسلہ وغیرہ کیا۔ یہ تو وہاں کوئی دس سال سے مقیم ہیں۔ اور ایران کے سب سے

بڑے اکاؤنٹنٹ تھا سپ میں نوکر کرتے ہیں" تاج بابا نے پیروی کی۔

"نوکر کراتے ہیں؟ .... کیا ان میں نوکر نہیں" فیروز نے حماقت کا ثبوت دیا۔

فیروز کے اس بے تکے جملے پر بھی ہنسی پڑنے سے حلق چگا تاج بابا خوش کبوتر بن گئے۔ اور خالدی فیروز کو تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"نوکر سے یہ مراد نہیں بلکہ یوں سمجھیے میں لکھنے پڑھنے کے دام لکھواتا ہوں" علی جان نے وضاحت کی۔

"تب تو آپ کو بہت بڑی پگار ملتی ہوگی" فیروز نے سوال کیا۔

"پگار کیا؟" علی جان نے پوچھا۔

"ارے بھئی پگار تنخواہ کو کہتے ہیں" تاج بابا نے علی جان کو سمجھایا۔

"اوہ! تنخواہ .... ہاں گزارہ کے قابل تو مل ہی جاتی ہے" علی جان نے کہا۔

"اجی چھوڑیے آپ لوگ کس فالتو کی باتوں میں پڑے ہیں" خالدی سے آخر رہا نہ گیا۔

"نہیں نہیں بھئی آپ کے اسسٹنٹ ..... کیا نام ہے ان کا ...."

"خاکسار کو فیروز کہتے ہیں" فیروز نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں آپ تو بڑے پر لطف آدمی" علی جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی! ...... آدمی ...... یعنی ابھی سے میں آدمی ہو گیا" فیروز پر حماقت کا دورہ پڑا۔

"یعنی پھر تم کیا کرنا ہیں؟" سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"دیکھیے صاحب میرے والدین ابھی زندہ ہیں اور وہ میری شادی بھی نہیں ہوئی اس لئے میں آدمی نہیں ہوں" فیروز نے خشک لہجہ سے کہا۔

"تو پھر تم کیا ہو ...... لڑکی؟" علی جان نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں میں لڑکا ہوں۔ اگر لڑکا ہوتا تو یہاں کی بجائے اندر پردے میں بیٹھتا۔"

فیروز نے پردے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا اور اسی لمحہ ایک نسوانی قہقہہ پردے کے پیچھے بلند ہوا، اور وہیں پردے پر سلوٹیں ابھر آئیں جس سے ایک مسکراتا ہوا حسین چہرہ برآمد ہوا۔

"آجاؤ بیٹی رعنا یہاں سب اپنے ہی آدمی ہیں" علی جان نے اسے بلایا "

غلافی آنکھوں والی سرخ و سپید لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے سبز مخملی اسکرٹ پہن رکھا تھا اور انگلش اسٹائل کے سنہرے بال پشت پر پڑے ہوئے تھے۔ جس میں ایک سرخ ریشمیں فیتہ بڑی خوبصورتی سے بندھا ہوا تھا۔

"یہ ہے میری بیٹی رعنا شریر" علی جان نے تعارف کراتے ہوئے کہا "

"شریر کا لفظ بھی نام میں شامل ہے" فیروز نے شرارت سے پوچھا "

"اوہ! نہیں مسٹر فیروز ——— دراصل یہ بہت شریر ہے" علی جان نے بتایا "

"لوگ مجھے بھی اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔" اس نے خالدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو خاموشی سے بیٹھا سب کی گفتگو سن رہا تھا۔

"آپ شریر تو نہیں معلوم ہوتے البتہ بدھو ضرور ہیں" رعنا نے شستہ اردو میں کہا "

"جی ——— !!! فیروز ایکدم چونک پڑا "

"آپ اردو بہت صاف بول لیتی ہیں حالانکہ آپ نے ایران میں پرورش پائی ہو گی" خالدی نے گفتگو میں حصہ لیا "

"اوہ! یہ تو صرف پانچ چھ سال ایران میں رہی ہے کیونکہ اب سے تقریباً پانچ سال قبل جب چھوٹے بھائی کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت میں آیا تھا، اور رعنا کو کشن گڑھ ہی اس کی نانی کے پاس چھوڑ گیا تھا۔" علی جان نے تفصیل بتائی "

"ہوں ہہ ..... ٹھیک ہے مگر ..... خالدی کچھ کہتے کہتے رک گیا "

"مگر کیا؟ علی جان کچھ بے چین سا ہو گیا "

"کچھ نہیں، میں یہ کہہ رہا تھا کہ باتوں میں وقت نکلا جا رہا ہے۔ اور مجھے بہت کام ہے۔"

خالدی نے ٹال دیا "

"ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ذرا چائے وغیرہ پی لیجئے" تاج بابا نے کہا" اور ملازم کو چائے بنانے کے لئے بھیج دیا۔

کچھ دیر بعد چائے آ گئی۔ اور سب چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

"کیا کل شام میکر صاحب یہاں آئے تھے؟" خالدی نے چائے پیتے ہوئے تاج بابا سے پوچھا "

"کون میکر صاحب؟" تاج بابا نے متعجب ہو کر پوچھا "

"معاف کیجئے میں بیانز پہلوان کو پوچھ رہا تھا۔" خالدی نے تصحیح کی "

"اوہ ..... ہاں آیا تھا ..... اسے کافی گہرا صدمہ ہے" بابا نے غمگین لہجے میں کہا "

"ہونا ہی چاہئے" خالدی نے آہستگی سے کہا "

"مگر اس کے بارے میں آپ کیوں پوچھ رہے تھے" کہا۔ بس یونہی .....

"نہیں، ایسی بات نہیں تاج صاحب میں نے یونہی تذکرۃً پوچھا تھا۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے۔ میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ کمرہ ایک بار اور دیکھنا چاہتا ہوں۔ ابھی اس کی صفائی تو نہیں ہوئی" خالدی نے پوچھا "

"جی نہیں آپ نے منع کر دیا تھا۔ ورنہ شاید ہو گئی ہوتی" تاج بابا نے جواب دیا "

"اچھا تو پھر ذرا کمرہ دیکھ لوں" یہ کہہ کر خالدی اٹھا۔ اور ساتھ ہی علی جان اور بابا بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ مگر فیروز وہاں چائے پیتے ہی بیٹھا رہا اور دوسرے صوفے پر رعنا چائے پینے میں مصروف تھی۔

"مجھے زیادہ گھوریئے نہیں بدھو جی" رعنا نے کہا "

"میرا تعلق بھی تاریخ سے ہے ہمیشہ لٹکے ہی رہتے ہیں" فیروز نے صوفے پر لیٹتے ہوئے کہا "

"میں سچ کہتی ہوں، آپ بدھو کا خطاب پائیں گے اور ہیں بھی سگے ..... تو اس نے ...

آ گئے ۔" رعنا نے مسکراتے ہوئے کہا "

دیکھئے آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں" فیروز نے روتی آواز سے کہا "

ارے نہیں ! تو یہ کس نے کہہ دیا آپ سے" رعنا نے متبسم ہو کر کہا "

خیر آپ مذاق بھی اڑا لیں مگر ایسے مسکرایا نہ کریں ۔" ورنہ میں سمندر میں چھلانگ لگا لوں گا " فیروز نے ناراضگی سے کہا "

کیوں ؟ سمندر میں کیوں ڈوبیں گے "

کیا بتاؤں بڑی پر درد کہانی ہے ۔ پھر کسی وقت سناؤں گا ——— اچھا یہ بتائیے آپ نے ایران کی تو خوب سیر کی ہو گی " فیروز نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا "

اوہو ! آپ تو پارے کی طرح کہیں ٹھہرتے ہی نہیں پہلے مجھے اپنی پر درد کہانی سنائیے پھر میں بتاؤں گی " رعنا نے شرط پیش کی "

نہیں میں یہاں نہیں بتاؤں گا ۔ کیونکہ گذشتہ مہینہ میں ایک دوست کو یہی کہانی سنا رہا تھا ۔ کہ مجھے دورہ پڑ گیا تھا ۔ وہ تو خیر ہوئی کہ سمندر بہت دور تھا ۔ مگر یہاں تو بالکل قریب ہے ۔ میرے ہونے والے چھ عدد بچے یتیم ہو جائیں گے " یہ کہتے کہتے فیروز کے حقیقتاً آنسو چھلک آئے "

ارے آپ تو واقعی سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں ۔ میں کوئی فرضی کہانی سمجھ رہی تھی ۔ کچھ بڑی پر اسرار کہانی ہے ۔" رعنا نے کہا "

آپ پر اسرار کہہ رہی ہیں ۔ ذرا میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے " یہ کہتے ہوئے اس نے رعنا کا ملائم ہاتھ پکڑ کر سینے پر رکھ لیا "

اوہ ! آپ کا دل تو واقعی سو ہارس پاور چل رہا ہے " رعنا نے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا ..... اچھا تو ایسا کیجئے کل شام آپ کسی ایسی جگہ میں جہاں یہ کہانی سنا سکیں اور سمندر سے دور ہو ..... میں اس کہانی کو سننے کے لئے بہت بے چین ہوں ۔ مگر کیا کروں آج شام میں ایک دعوت میں جا رہی ہوں ۔

ریکس ہوٹل کیسا رہے گا ۔ عین قلب شہر میں ہے " فیروز نے پوچھا "

ہاں ہاں جہاں آپ مناسب سمجھیں " رعنا نے صاد کرتے ہوئے کہا "

تو پھر کل شام سات بجے کھانا وہیں کھائیے گا ۔ بھولئے گا نہیں ..... اور ہاں دیکھئے آپ کو بھی ایران کی باتیں بتانی پڑیں گی " فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا "

یہ تو سب قبول ہے ۔ مگر آپ چلے کدھر " رعنا نے پوچھا "

بس اب چلتا ہوں ورنہ ہارٹ فیل ہو جانے کا خطرہ ہے یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا ۔ اور رعنا اس کا منہ دیکھتی رہ گئی ۔

باہر جو نہی پر خالدی وغیرہ سے ملاقات ہو گئی جو بدو اکے کمرے سے لوٹ رہے تھے ۔ فیروز کو دیکھ کر خالدی ٹھہر گیا ۔ اور علی جان وغیرہ سے رخصت ہو کر کار پر آ بیٹھے "



تمام راستے بھر خالدی فیروز کو لعن طعن کرتا رہا ۔ مگر فیروز ہر بات کو سنی ان سنی کرتا رہا ۔ کیونکہ وہ خالدی کی عادت سے واقف تھا ۔ پونے بارہ بجے یہ لوگ دفتر واپس پہنچے ۔ جہاں عادل ان کا منتظر تھا ۔

کہو میاں کیا رپورٹ ہے " خالدی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "

KAM پل مین کار سرمئی رنگ یہ کولبری ہوٹل کے منیجر ولیم جیکسن کی گاڑی ہے اور دوسری کا نمبر توسٹی مجسٹریٹ جو گیندر ناتھ کا ہے ۔ مگر ان کی گاڑی کا رنگ بلیو نہیں بلکہ لائٹ بلیو ہے " عادل نے تفصیل بتائی "

ہونہہ ...... تم نے ان کے بارے میں تحقیقات کی ——— میرا مطلب ہے ان مالکوں سے دریافت کیا " خالدی نے پوچھا "

جی ہاں کولبری کا منیجر کا کہنا ہے کہ اس کی کار کل شام سے غائب ہے ۔ جس کی رپورٹ تھانہ

ساحلی پولیس اسٹیشن پر کر دی تھی۔ مگر صبح کو وہ گاڑی نارنس گارڈن کے قریب لاوارث
کھڑی ملی۔ جو اب اس کی تحویل میں ہے۔ لیکن مجسٹریٹ کا بیان ہے کہ انھوں نے دو دن تو
وہ گاڑی استعمال نہیں کی۔ اور وہ گیراج میں بند ہے جس کی چابی ان کے پاس ہے اور
وہ اپنی دوسری گاڑی سے ہی آفس سے کام لے رہے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ سنتا قسم جو گینڈ رنا مجھ سے بہت قریب سے واقف ہیں۔ اور انھی
ہیلوگوں کو ہیرا سنگھ کے لئے ان کے نمبر استعمال کئے ہیں۔" فیروز نے کہا۔"

ہوں... اچھا دیکھو ٹائیگر تم ہمارے سادہ پوشوں کو ہمراہ لے کر کو کیری ہوٹل پہنچ جاؤ
مجھے داخل ہونے والوں اور ہوٹل میں موجود مہمانوں کی پوری رپورٹ چاہیے۔ یہ کہہ کر اس نے
ٹائیگر سے چپکے چپکے کچھ کہا۔ اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد چیف کے کمرے میں چلا گیا جہاں
جہاں دیر تک دونوں میں کوئی پروگرام طے ہوتا رہا۔ اور یہ انتظار فیروز کو ڈراما
ثابت ہوا۔ کیونکہ بیچ کا وقت ہو چکا تھا۔ اور صبح بھی اس نے جلدی میں بہت ہلکا ناشتہ
کیا تھا۔

وہ دونوں ریسٹورنٹ میں آ بیٹھے۔ اور دونوں نے ڈٹ کر کھانا کھایا
کھانا وغیرہ کھا کر فیروز تو آرام کرنے لگا۔ اور ٹائیگر اپنے کام پر چلا گیا

○ ——————————— ○

ڈاکٹر وی سانگ

کولمبیا ہوٹل کی عمارت روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ اور رنگین قمقمے رات کے اندھیرے میں روشنی
کا ایک عجیب سماں پیدا کر رہے تھے۔ یوں تو تمام عمارت بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ مگر مغربی
ونگ کے ڈائننگ ہال نے عجیب رنگین فضا پیدا کی ہوئی تھی۔ جسے رنگین بلبوں کی اس
ترتیب سے سجایا گیا تھا۔ کہ وہ دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔

حسب دستور آج بھی ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نوجوان جوڑے سرور
رقص کے مشروبات سے دل بہلا رہے تھے۔ اور بہت سے منچلے نوجوان شراب کے نشے میں دھت
رقص کر رہے تھے۔ ہوٹل کے ایک گوشے میں گنجا منیجر کاؤنٹر پر بیٹھا اپنے کام میں منہمک
تھا۔ اور قریب ہی دو کلرک فائلوں کی خانہ پری کر رہے تھے۔ کہ ایک بوڑھا شخص ڈھیلے
ڈھالے سوٹ میں ملبوس ہال میں داخل ہوا۔ جھریوں دار چہرہ۔ خرگوشی ڈاڑھی اور
بلو سا جسم۔ نیچے ڈھلکی ہوئی مونچھیں جن پر سرخ خضاب لگا ہوا۔ آنکھیں حلقوں میں
دھنسی ہوئیں۔ اور ان پر سنہری کمانی کا شفاف چشمہ مجموعی طور سے وہ کوئی بڑا ادیب یا فلسفی

معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ہمراہ ایک گندمی رنگ کا دبلا پتلا نوجوان اور تھا۔ جس نے سوٹ کیس تھام رکھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر جیب سے ایک کارڈ نکال کر منیجر کو دیا۔

اوہ! آئیے ڈاکٹر صاحب میں آپ ہی کا منتظر تھا ——— آپ کا ٹیلیگرام تین بجے مل گیا تھا۔" اس نے بوڑھے شخص سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا"

میرا خیال ہے آپ نے کمرے کا انتظام کر دیا ہو گا ——— میرا مطلب ہے ڈبل روم کا" بوڑھے ڈاکٹر نے پوچھا"

آپ جیسے معزز مہمانوں کے لئے تو میرا ہوٹل حاضر ہے۔ بھلا انتظام کیوں نہ ہو

یہ کہہ کر منیجر نے بوائے کو بلا کر کہا آپ کو کمرہ ۸ میں لے جاؤ۔

میں نے آپ کی آسانی کے لئے پہلی منزل پر انتظام کر دیا ہے" منیجر نے جھک کر کہا"

شکریہ... شکریہ" کہتا ہوا ڈاکٹر اور اس کا ساتھی زینہ چڑھنے لگے۔

اسی لمحہ کاؤنٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجی اور منیجر اٹھ کر کاؤنٹر کے پشت پر لگے ہوئے دروازے میں داخل ہوا۔ جس پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور اوپر ایک شیشے کی تختی پر لفظ پرائیویٹ چمک رہا تھا۔

منیجر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد وہ بیچ میں گول میز کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ ایک منٹ کے لئے اس نے میز کو چھوا۔ اور سامنے دیوار پر لگی ہوئی قد آدم تصویر اپنی جگہ سے ہٹنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک شخص کے گذرنے کا راستہ بن گیا۔ منیجر اس میں داخل ہو گیا۔ اندر بالکل تاریکی تھی۔ اور وہ کوئی بالکل چھوٹی سی کوٹھڑی معلوم ہوتی تھی۔

منیجر کے اندر پہنچتے ہی ایک کھٹکے کی آواز ہوئی۔ اور ننھا سا سرخ بلب بلنک کرنے لگا۔ جس کی مدھم روشنی میں ایک ٹرانسمیٹنگ سیٹ نظر آنے لگا۔ منیجر نے سوئچ آن کیا۔

ہلو زیرو ٹو اسپیکنگ ...... ون ٹو تھری ..... زیرو ٹو اسپیکنگ

"ایک بھاری اور رعب دار آواز گونجی"

یس فور سیون ... ریسیونگ" منیجر نے کہا۔

کیا ڈاکٹر آ گیا؟ آواز

جی ہاں ابھی ابھی آیا ہے" منیجر نے جواب دیا"

کیا نام بتایا تھا ڈاکٹر ....؟ آواز

ڈاکٹر وی سانگ ——— منیجر نے جواب دیا، اور اس کا ساتھی مرچنٹ۔

انہیں ٹیلیگرام کہاں سے موصول ہوا تھا" آواز"

بمبئی سے"

ہونہہ اچھا دیکھو ان کی پوری پوری نگرانی کی جائے۔ اور ٹیلیگرام سنبھال کر رکھنا ضائع نہ ہو ——— اور ہاں اگر وہ جاسوس کے نیچے آئیں تو انھیں روک لینا میں دس بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ اور انھیں بیرونی ملاقاتی کمرے میں بٹھایا جائے ——— ختم

بہت اچھا کہہ کر منیجر نے سوئچ آف کر دیا۔ اور باہر نکل آیا۔

پرائیویٹ روم سے نکل کر منیجر نے چاروں طرف ایک سرسری نظر ڈالی اور اطمینان کا سانس لے کر اپنی گنجی چاند سہلاتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور میز پر لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا۔ کچھ دیر بعد ایک تندرست و توانا سیاہ فام شخص اندر داخل ہوا۔ اور میز کے قریب آ کر سوالیہ نگاہوں سے منیجر کو دیکھنے لگا۔ منیجر نے کافی دیر تک آہستہ آہستہ اسے کچھ سمجھایا۔ اور اس کے بعد وہ سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔ ہوٹل کی فضا اب بھی حسب سابق گرم تھی۔ ہر طرف قہقہے گونج رہے تھے۔ اور زندگی جاگ رہی تھی۔

ٹھیک ساڑھے نو بجے انسپکٹر خالد اور فریدی ہال میں داخل ہوئے۔ منیجر انہیں دیکھتے ہی کاؤنٹر سے باہر آ گیا۔

"اوہ! آپ حضرات تشریف لے آئے" منیجر نے استقبال کرتے ہوئے کہا"

"اگر یہ الگ رہا ہو تو چلے جاتے ہیں" فیروز جملہ کسا اور واپس پلٹنے لگا"

"ارے نہیں نہیں میرے کہنے کا یہ منشا تھا کہ صاحب دس بجے تشریف لائیں گے۔ اسوقت تک آپ کو انتظار کی زحمت ہوگی۔ ۔ ۔ ۔ آیئے میرے ساتھ تشریف لایئے۔" منیجر نے چلتے ہوئے کہا"

"ہاں ہاں کیا حرج ہے۔ آدھ گھنٹہ کوئی بڑی بات نہیں" خالدی نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"لیکن جب صاحب موجود نہیں تو لئے کہاں جا رہے ہیں" فیروز نے منیجر سے کہا"

"ملاقاتی کمرہ میں تشریف لے چلئے" منیجر نے بااخلاق لہجہ میں کہا"

ہال سے گذر کر برآمدے کو طے کرتے ہوئے یہ لوگ ملاقاتی کمرے میں پہنچے کمرہ بڑا پرتکلف اور جدید ترین سامان سے سجا ہوا تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا تھا۔ اور اس پر اعلیٰ قسم کا فرنیچر رکھا ہوا فرنیچر اس کمرے کے ڈیکوریٹر کی ستھری طبیعت اور خوش ذوقی کا آئینہ دار تھا۔

منیجر نے ان دونوں کو وہاں بٹھا کر ناشتے کافی وغیرہ کا انتظام کر دیا۔

ٹھیک دس بجکر پانچ منٹ پر پورچ میں نازک اور خوبصورت کیڈلک کار آکر رکی اور اس میں سے ایک گرانڈیل شخص اترا ——— وہ برآمدے کو طے کرتا ہوا سیدھا ملاقاتی کمرے کی طرف بڑھا جہاں خالدی اور فیروز بیٹھے تھے

"معاف کیجئے گا مجھے دیر ہوگئی" نو وارد شخص نے کمرے میں داخل ہوکر کہا

خالدی نے اس کا سرتاپیر جائزہ لیا۔ یہ ایک گٹھیلے جسم کا لمبا تڑنگا خوبرو نوجوان تھا جس کے چہرے پر گھنی اور اوپر کو مڑی ہوئی مونچھیں اس کی شخصیت کو بے نقاب کر رہی تھیں۔ وہ اس وقت سیاہ ساٹن کا سوٹ پہنے ہوئے تھا

جو اس پر قلعی بیحد موزوں نظر آرہا تھا۔

"اوہ کوئی بات نہیں" خالدی نے توقف سے کہا"

"میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں متعارف ہو جائیں تاکہ گفتگو میں آسانی ہو" مجھے چاند پہلوان یا میکر کہتے ہیں۔ اور میں اس ہوٹل میں پارٹنر ہوں اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"اور مجھے انسپکٹر احمد سعید خالدی کہتے ہیں۔ اور یہ میرے ساتھی سارجنٹ فیروز میرے اسسٹنٹ ہیں۔ ہمارا تعلق خفیہ سے ہے" خالدی نے بھی صاف صاف بتا دیا۔

"اوہ! بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر" میکر نے کہا"

"اور مجھے بھی" فیروز نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا"

"خیر یہ تو ہمارا تعارف ہوا۔ اب آ جائیں بر سر مطلب" میکر نے کہا"

"دیکھئے جب ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی بات پوشیدہ نہیں تو میں صاف بات پسند کروں گا" خالدی نے کہا"

"ضرور ضرور ——— فرمایئے؟" میکر نے پوچھا"

"اول تو یہ کہ آپ نے دو دو نام کیوں رکھے ہیں" خالدی نے سوال کیا"

"دیکھئے جناب یہ کوئی جرم تو نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چاند پہلوان کا نام اول تو نہایت بھدا اور دیہاتی قسم کا ہے دوسرے میں نے پہلوانی کو طلاق دیدی ہے۔ اس لئے اب اس نام کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

"ٹھیک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اچھا آپ نے گھر کیوں چھوڑا۔ اور گھر چھوڑے کتنا عرصہ ہو گیا۔ ذرا وضاحت سے بتائیں۔

"کیا میں اس کا پابند ہوں ——— میرا مطلب ہے اگر میں نہ بتانا چاہوں تو" میکر نے کہا"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے مگر یہ سمجھ لیجئے کہ اسوقت آپ کی پوزیشن خطرے میں ہے

ہوسکتا ہے آپ کے نہ بتانے سے آپ کے خلاف کوئی غلط رائے قائم کر لی جائے" خالدی نے اسے آگاہ کیا"

میری پوزیشن خطرے میں ہے؟ کس سلسلے میں" اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے"

گاموپہلوان اور بدھو اگو اسے کا قتل کچھ ایسے حالات میں ہوا ہے کہ اس میں آپ پر بھی شک کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ سے گفتگو کر کے میں کسی نتیجہ پر پہنچ سکوں۔ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ پہلو گوں نے رائے قائم کی ہو وہ آپ کے بیان سے غلط ہو جائے۔ اور ہم صحیح راستہ پر پہنچ جائیں۔

یہ نجی معاملات ہیں اور میں نہیں یہ بتا کر میں اس کا ڈھنڈورا پیٹوں مگر آپ نے مجبور کر دیا" میکر نے کہنا شروع کیا"

اب سے کوئی آٹھ دس سال قبل ہم لوگ یعنی ہمارا کنبہ کشن گڑھ کے ایک چھوٹے سے موضع میں آباد تھا۔ میرے والد تین بھائی تھے۔ سب سے بڑے میرے والد اور ان سے چھوٹے علی جان اور سب سے چھوٹے گاموکے والد تھے۔ گاموکی عمر اس وقت بارہ سال ہو گی۔ جب ایک رات اچانک ان کے والد یعنی میرے چھوٹے چچا کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا معاملات تھے مگر مجھے اتنا ضرور یاد ہے۔ یعنی منجھلے چچا یعنی علی جان میں اور میرے والد میں بہت جھگڑا ہوا تھا جس میں کچھ جائیداد وغیرہ کا معاملہ تھا بہر حال علی جان وہاں سے لڑ جھگڑ کر چلے گئے۔ اور اب گھر پر صرف والد رہ گئے۔ اور خاص بات یہ کہ میرا دل پہلوانی سے کتنا تا تھا۔ اور بابا مجھے لنگوٹ بندی پر مجبور کر رہے تھے۔ ایک دو سال بعد میں یہاں بھاگ آیا۔ اس کے بعد بابا نے گامو کو بیٹا بنا کر اسے لنگوٹ بند کیا۔ اور پہلوان کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اسے خوب تیار کیا۔ اس کے بعد بابا بھی یہیں آ گئے اور اس کے بعد کے حالات آپ کو معلوم ہی ہیں۔

لیکن اس میں آپ یہ بتانا بھول گئے کہ آپ نے یہاں یہ ترقی کس طرح کی" خالدی

نے پوچھا"

ایک جگہ ڈاکہ ڈالا تھا اور یہ ہوٹل بنوا لیا ——— آپ بھی کمال کرتے ہیں خالدی صاحب" میکر نے ہنستے ہوئے بات ٹال دی"

خیر خیر آپ نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی مجھے کوئی اعتراض نہیں" خالدی نے بھی مسکراتے ہوئے کہا"

لیکن یہ تو بتا سکتے ہیں کہ علی جان صاحب کی شادی کب ہوئی تھی" فیروز نے چھوڑی"

ان کی شادی مجھے یاد نہیں کہ کب ہوئی تھی۔ مگر ہاں ان کی بیوی تھیں۔ بہت خوش اخلاق مجھے خرچ وغیرہ کی کمی نہیں ہونے دیتی تھیں۔ مگر ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔

کیا رعنا بیگم انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔" فیروز نے پوچھا"

جی ہاں رعنا اس وقت چھوٹی تھی کوئی سات آٹھ سال کی مگر چچا اسے بھی ساتھ لے گئے تھے۔" میکر نے بتایا"

کیا جب سے وہ انھیں کے ساتھ رہی" خالدی نے مداخلت کی"

کبھی جب سے میں یہاں آیا ہوں پلٹ کر گھر کی شکل بھی نہیں دیکھی اب وہ آئے ہیں۔ تو انھیں سے معلوم ہوا کہ وہ اسے چار پانچ سال ہوئے اس کی نانی کے پاس کشن گڑھ چھوڑ گئے تھے ——— مگر یہ رعنا کے متعلق کیوں پوچھا جا رہا ہے۔ کیا اس پر شک ہے" میکر نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا"

اوہ! نہیں بھئی یہ بھی کوئی بات ہوئی یہ تو تذکرۃً پوچھ لیا" خالدی نے فوراً تصحیح کی"

چلئے خدا کا شکر ہوا کہ ہماری بات چیت ہنسانے میں ختم ہوئی" میکر نے مطمئن ہو کر کہا"

اچھا اب رخصت دیجئے" یہ کہہ کر خالدی اٹھ گیا اور ساتھ ہی فیروز بھی تیار ہو گیا

دوسرے دن صبح ابھی خالدی وغیرہ نے ناشتہ سے فراغت ہی کی تھی کہ آئی جی کا فون آیا جس میں خالدی کو جلد ملنے کی تاکید کی گئی تھی اس لئے خالدی تو ہیڈ کوارٹر چلا گیا۔ اور فیروز کوئی کتاب لے بیٹھا مگر اس کا دل نہ لگا نہ جانے کیوں وہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ اس کا دل کیا چاہتا ہے۔ وہ اٹھ کر یونہی لان میں ٹہلنے لگا۔ بالکل گم سم اور خاموش ....

وہ نہ جانے کب تک اسی عالم میں ٹہلتا رہتا کہ ایک ملازم نے اسے فون کی اطلاع دی اور جب اس نے کمرے میں پہنچ کر فون ریسیو کیا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ وہ فوراً اپنے کمرے میں گیا اور کپڑے وغیرہ تبدیل کر کے باہر نکلا گیراج سے اس نے موٹر سائیکل نکالی کیونکہ کار تو خالدی لے گئے تھے۔ ابھی وہ گیٹ سے نکل ہی رہا تھا کہ خالدی کی کار آتی ہوئی نظر آئی اور وہ ٹھہر گیا۔

"کہاں جا رہے ہو چھیلا اس طرح بن سنور کر" خالدی نے قریب پہنچ کر گاڑی روک دی"

"اوہ! آپ بھی کام کے وقت آ جاتے ہیں ـــــ تاج بابا کے یہاں سے فون آیا تھا کہ رات کو کچھ عجیب واقعات پیش آئے ہیں۔ اس لئے آ جائیے" فیروز نے سوکھے ہوئے منہ سے کہا"

"اچھا! تم یہیں ٹھہرو میں ابھی ہو کر آتا ہوں" خالدی نے کہا"

"واہ صاحب بلایا مجھے اور میں ہی نہ جاؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے" فیروز نے چڑ کر کہا"

"اچھا بابا چلو اور ضرور چلو مگر روٹے کیوں دیتے ہو" خالدی نے مسکراتے ہوئے کار اسٹارٹ کی"

تھوڑی دیر بعد جب یہ لوگ تاج منزل میں داخل ہوئے تو تاج بابا اور علی جان وغیرہ باہر چبوترے پر ہی ان کے منتظر تھے۔

"کیا بات ہے؟" خالدی نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا"

"اندر تشریف لے چلئے تو بیٹھ کر باتیں ہوں گی" علی جان نے کہا"

تاج بابا نہایت خاموش نظر آ رہے تھے۔ اور پیشانی پر موٹی موٹی سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔ تمام راستے وہ خاموش ہی رہے۔ ملاقاتی کمرے میں پہنچ کر تاج بابا اپنی مخصوص مسند پر بیٹھ گئے۔

"ہاں اب بتلائیے کیا بات ہے؟ آپ اتنے خاموش کیوں ہیں بابا" خالدی نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بابا سے کہا"

"کیا بتاؤں میرے تو ہوش دنگ ہیں۔ کہ آخر اس گھر میں کیا ہونے والا ہے" بابا نے متفکر لہجہ میں کہا"

"آخر معاملہ کیا ہے؟ میں بھی تو کچھ سنوں" خالدی نے استفسار کیا"

"بھئی دراصل بات یہ ہے کہ آج رات کو جی صاحب کو قہقہے سنائی دئے الغیرہ کے کمرے میں اور ملازموں کو مطلق خبر نہ ہوئی" علی جان نے بتایا"

"یعنی کیسے قہقہے آپ بتائیے بابا" خالدی نے پوچھا"

"آپ شاید مجھے ضعیف الاعتقاد یا توہم پرست کہیں مگر مجھے یقین ہے کہ گامو کے اچانک قتل نے اس کی روح کو بے چین کر دیا اور اب وہ بھوت کی شکل اختیار کر چکی ہے بالکل وہ ایسے ہی قہقہے جیسے اس رات میں نے گامو کے کمرے سے سنے تھے۔

"ذرا مجھے تفصیل سے بتائیے" خالدی نے کہا"

"میں رات کو سو رہا تھا کہ یکایک ایک قہقہہ سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر بعد قہقہے کی آواز گونج رہی اور پھر کچھ دیر خاموشی چھا گئی اور دوبارہ دیر بعد پھر مجھے کچھ سوں سوں گھر گھر کی آواز ہوئی اور پھر ویسے ہی قہقہے گونجنے لگے۔ میں پہلے تو سہما ہوا لیٹا رہا۔ لیکن جب

میں اٹھ بیٹھا اور زور زور سے آیت الکرسی اور درود شریف پڑھتا رہا مگر چیخیں گونجتی رہیں ـــــ یہ سلسلہ ساڑھے بارہ سے دو بجے تک جاری رہا۔

ہونہہ۔ ۔ ۔ کیا آپ مجھے ذرا اپنا کمرہ دکھا سکتے ہیں "خالدی نے کہا"

ہاں ہاں ضرور ـــــــ چلئے یہ کہکر بابا اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ خالدی کے ساتھ اندر چلے گئے۔ کمرے میں صرف علی جان اور فیروز رہ گئے۔

یہ شریف نظر نہیں آتا کیا یہاں سے چلا گیا "فیروز نے بات چھیڑی"

شریف۔ ۔ ۔ وہ شریف رعنا کے ساتھ بازار گیا ہے "علی جان نے چونک کر کہا"

معاف کیجئے گا میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر علی جان ایکدم اٹھ گیا۔ جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی ہو"

فیروز کو اس کا یہ رویہ سخت ناگوار گذرا کیونکہ اس کا یہ موقع نہ تھا۔ بہرحال وہ اپنا دھیان بٹانے کے لئے ایک فلمی گیت گنگنانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد خالدی اور جبرہ واپس آگئے۔ اور جیسے ہی وہ فیروز کو ساتھ لے کر واپس لوٹنے لگا۔ کہ دروازے پر رعنا اور شریف سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

اوہ! فیروز صاحب آپ واپس جا رہے ہیں۔" رعنا کی نقرئی آواز گونجی"

جی ہاں! مجبوری ہے یہ کہکر فیروز نے خالدی کی طرف اشارہ کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رعنا اس کے اس رویے پر مسکرانے لگی۔ اور ان کی کار گیٹ سے گذر کر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

فیروز اور خالدی اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ خالدی تو اس کیس کی پیچیدگیوں کو سلجھانے میں مصروف تھا اور فیروز اسٹیرنگ سنبھالے رعنا کے لطف تصور میں گم تھا۔

کیا سوچ رہے ہو؟" خالدی نے کچھ دیر بعد مہر سکوت توڑا"

سوچ رہا ہوں کیسے بیدردی سے پالا پڑا" فیروز نے جواب دیا"

رعنا کتنی بہت مانوس نظر آتی ہے" خالدی نے کہا"

آپ کی بلا سے! فیروز بیزاری سے بولا اور کار کو کوٹھی کے پھاٹک میں وہ نہایت تیزی سے گیراج تک گیا۔ اور گاڑی اندر کھڑی کر کے لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اندر چلا گیا۔ خالدی گاڑی سے اترا اور گیراج بند کر کے آہستہ آہستہ اپنے کمرے میں پہنچا۔

فیروز ایک صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ اور کیپسٹن سگریٹ کا دھواں کمرے کی فضا کو کثیف بنائے ہوئے تھا۔

بہت ناراض نظر آتے ہو عاشق صادق صاحب "خالدی نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے سوال کیا؟"

جی نہیں تو ـــــ میں بھلا کیوں ناراض ہونے لگا۔" فیروز نے روٹھے ہوئے انداز سے کہا"

اچھا ناراض مت ہو میں کل ہی تمہارا پیغام رعنا کے یہاں بھجوائے دیتا ہوں "خالدی نے مسکراتے ہوئے کہا"

فیروز کچھ کہنے ہی والا تھا کہ برآمدے میں کال بیل کی آواز گونجی اور فیروز اٹھ کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ عادل کو ہمراہ لئے کمرے میں داخل ہوا۔

اوہ بہت دیر لگا دی عادل! کہو کیا رپورٹ لائے۔" خالدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا"

سارجنٹ عادل نے جیب سے یادداشت بک نکالی اور اس میں کچھ دیکھنے لگا۔

جناب یہ کچھ عجیب بات ہے کہ شام پانچ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے رات تک جتنے لوگوں کی آمد ہوئی تقریباً اتنے ہی واپس لوٹ گئے۔ لیکن کسی وقت بھی موجود مہمان آمد پر پورے نہ اترے میں نے بارہا چیک کیا۔ کہ اگر ایک گھنٹے میں تین سو مہمان آئے اور رہ بھی گئے مگر جب ہال پر نظر ڈالی تو وہاں ڈیڑھ سو سے دو سو سے زیادہ کبھی نہ ہو سکے" عادل نے بتایا"

میں اٹھ بیٹھا۔ یہی امید تھی عادل۔ تمہاری رپورٹ کامیاب ہے" خالدی نے مطمئن ہو کر کہا۔
"ابھی وہاں دو سادہ پوش متعین ہیں" عادل نے کہا۔
"اب ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسا کرو کہ چھ سادہ پوشوں کو ہمراہ لے کر آج سہ پہر ہی کو تاج منزل پہنچ جاؤ" خالدی نے اسے ہدایت کی۔

آج شام کو فیروز ریکس ہوٹل جانیوالا تھا۔ اس لئے اس نے صبح ہی سے ایسا رویہ اختیار کیا تھا کہ خالدی سے مگر پہرہ چھوڑ کر کسی کام سے چلا گیا تھا۔ وہ اپنے دوستوں پر بھی یہاں جلا کرتا تھا۔ بہرحال اب فیروز آزاد تھا۔ اس نے قریب ۳ بجا ہی سے تیاری شروع کر دی۔
جب وہ ریکس ہوٹل میں داخل ہوا۔ تو ساڑھے چھ بجا تھا۔ ہال میں داخل ہو کر وہ سیدھا کیبنوں کی قطار کی طرف بڑھا۔ حالانکہ اسے بہت سی جانی پہچانی نظریں اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ مگر وہ بالکل انجان بن گیا تھا ـــــ یہ حقیقت تھی کہ ریکس ہوٹل میں اس کے شناسا نوجوان اور خواتین بہت تھے اور فیروز ان کے تفریح کا ذریعہ تھا۔ وہ اس کی قربت سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔
چودہ نمبر کے کیبن پر پہنچ کر فیروز نے پردہ ہٹایا۔ لیکن وہ خالی تھا۔ اس نے ایک منٹ کے لئے وہیں رک کر کچھ سوچا اور پھر کیبن میں بیٹھ گیا۔
سوا سات بجے رعنا بیگم آئی۔ اللہ رعنا یہاں کچھ زیادہ ہی شگفتہ لگ رہی تھی ـــــ ہوٹل میں موجود سینکڑوں نگاہیں گھورتی ہوئی رہ گئیں اور نوجوان آنکھیں سینکتے رہ گئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ سیدھی ٹیبل رہی تھی کہ وہ نمبر کیبن تک۔ اس کا انجام قریب نہ رہیں۔ اور جب پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہو گئی تو ان اٹھتی ہوئی نگاہوں میں مایوسی

پھیل گئی اور لوگ فیروز کی قسمت پر رشک کرنے لگے۔
"معاف کیجئے۔ ٹیکسی ملنے میں کچھ دیر ہو گئی" رعنا نے فیروز کے سامنے والی نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔
"چلیے معاف کر دیا" فیروز نے فراخدلی سے کہا۔
"تو پھر وہی کہانی سنائیے ـــــ یقین جانئے بالکل بے چین ہوں" رعنا نے کہا۔
"چ چ چ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو بہت برا ہوا" فیروز نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
"کیوں؟"
"اب کیا بتاؤں یہ بھی ایک بہت لمبی داستان ہے ـــــ پھر سے پھر کبھی سناؤں گا۔" فیروز نے اسے ٹالنا چاہا۔
"آپ تو داستان گو معلوم ہوتے ہیں ـــــ جو خوش قسمتی ہر بات داستان ہر جملہ ایک داستان ہے گویا" رعنا نے متعجب ہو کر کہا۔
"جی نہیں میں داستان گو نہیں بلکہ قانون گو ہوں ـــــ خیر چھوڑئیے ان تذکروں کو پہلے کچھ کھا پی لیں پھر بات ہو گی" یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی۔
کھانے سے فراغت کے بعد دونوں نے کافی پینی شروع کی۔
"آج کا کھانا بہت شاندار رہا" رعنا نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔
"کیوں نہ ہو آپ ساتھ جو تھیں ورنہ مزہ نہیں آتا۔ عجیب سی بات ہے کہ کھانے میں ـــــ کل دعوت میں البتہ مزہ دار رکھا نہ جاتا" فیروز نے سنجیدگی سے کہا۔
"ابھی پچھلے ہفتے بھاجی شرکا میں کے ہاں دعوت کی قدر کیا جانیں ـــــ ہم تو نہیں جانا چاہتی تھی مگر ڈیڈی کی وجہ سے مجبوراً جانا پڑا" رعنا نے کہا۔
"بھاجی شرکا میں کون ہیں مراد ہے آپ کی" فیروز نے دلچسپی سے پوچھا۔

ارے آپ نہیں جانتے ؟ وہی سیٹھ لمبٹر بٹ جو گہنیدر ناتھ ——— انھوں نے ڈیڈی کے اعزاز میں ڈنر دیا تھا ..... ہونہہ بیسیں پھسا ڈنر۔ رعنا منھ کو اڑاتی رہی اور فیروز نہ جانے کس خیال میں غرق سا ہوگیا "

ارے آپ کس سوچ میں پڑ گئے " رعنا نے پوچھا "

آں ..... ہاں ..... کچھ نہیں کوئی بات نہیں میں ذرا ایسے ہی سوچ رہا تھا " فیروز نے چونکتے ہوئے کہا "

اچھا تو پھر اب کہانی شروع ——— اب میں کوئی حیلہ نہ سنوں گی " اس نے دلربائی سے کہا "

اچھا تو سنئے ——— مگر پہلے اپنا دل تھام لیجئے " فیروز کی شوخی عود کر آئی "

یہ لیجئے ——— " اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ——— اب کہیے۔

ایک تھا بادشاہ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ ......

یہ کیا بچوں کی کہانی لے بیٹھے " رعنا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "

سنئے تو سہی آپ بیچ میں بول پڑیں ——— خیر اس بادشاہ کا نام تھا ہندوستان ملک جرمنی ، اس کا بڑا مالدار اور خوشحال تھا ، اور فوج کثیر رکھتا تھا ——— اتنا کہہ کر اس نے رعنا کی طرف کنکھیوں سے دیکھا تو وہ اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہی تھی ، تو وہ اپنی فوج بڑا لیا اتر آیا۔ کہ دوسری جنگ عظیم کے خواہیدہ شعلے بھڑکا دئے تمام یورپ آگ اور خون میں ڈوب گیا ۔ مسلمان ہندوستان میں ہونے والے مسلمانوں کے دھماکے سندھ و ہندوستان میں سنائی دینے لگے ——— یہ انھیں دنوں کی بات ہے کہ ایک نوجوان .... کیا نام تھا اس کا ..... بھلا سا نام تھا .....

یہ کا بھی کچھ نام ہے رہنے دیجئے " رعنا نے اکتاتے ہوئے کہا "

ہاں تو ٹھیک ہے تم اس کو یہ حال دو لڑکی سلطانہ کے خوف سے بھاگ کر میرے پاس

پناہ لینے آئی ۔ اور میں نے پناہ دیدی ۔ لیکن وہ ٹلی نہیں اور میرے ہی یہاں رہنے لگی ۔ وہ مجھے کچھ ایسی بھائی کہ مجھے اس سے لگاؤ ہوگیا ۔ وہ کافی دنوں تک میرے یہاں رہی ——— میں چونکہ ان دنوں جوان تھا اس لئے ......

ان دنوں جوان تھے ۔ اور اب کیا بڈھے ہوگئے ہیں آپ " رعنا نے مسکراتے ہوئے ٹوکا "

جی نہیں جوان تو اب بھی ہوں مگر ان دنوں نیا نیا جوان ہوا تھا ——— تو ہاں میں نے اسے دل دے دیا ۔ اور اس نے اس خوبصورتی سے دل لے کر رکھ لیا کہ میں بڑا حیران ہوا ۔ اور ایک وہ تھی کہ سانس ڈکار تک نہ لی ۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ دل کے ساتھ ساتھ کلیجہ اور گردوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی یہ حالت دیکھ کر ......

مگر ..... رعنا نے کچھ کہنا چاہا ۔

مگر وگر کچھ نہیں اب میں بغیر سنائے چپ نہیں رہوں گا ——— ہاں تو جب میں نے یہ حالت دیکھی تو اس سے ایک دن صاف صاف بتا دیا کہ تیری محبت میں اب میری ایک ایک آنت پھنس گئی ہے ——— لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس نے کیا جواب دیا ۔

کیا ؟ " رعنا نے بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا "

اس نے کہا میں آپ کو بالکل اپنے بھائی کی طرح مانتی ہوں ——— آہ یہ سن کر میرے دل پر ایٹم بم گر پڑا ۔ ساری دنیا تاریک ہوگئی اور میں آنسوؤں کے سمندر میں غوطے لگانے لگا ۔ اور زمانہ تھا کہ مجھے پاکستان کے نعرے لگانے لگا ۔ اب بتائیے ۔ ایسے عالم میں میں کیا کرتا ۔ بس یہی سوچی کہ چلو پھر پانی میں ڈوب مروں ۔ بس پانی میں فوراً اور غوطے لگانے شروع ۔ مگر وہ ری میری جان کہ نچھڑی کر چیپک گئی ۔ بدنا اور کسی طرح نکالے نہ نکلی تب سے میں سمندر ڈھونڈتا پھرتا ہوں ۔ کہ کہیں مل جائے تو وہیں ڈوب مروں ۔ مگر راجا رعنا نے ڈانٹ کر کہہ دیا ہے ۔ کہ خبردار اگر کبھی سمندر کی

طرف گئے۔ اب آپ بتائیے میں کیا کروں ایک طرف محبت ہے۔ ایک طرف فرض محبت کہتی ہے ڈوب مر فرض کہتا ہے اگر مرا تو بہت پچھتاؤں گا۔" فیروز اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا"

میں جانتی ہوں کہ آپ ایک مجبور آدمی ہیں ——— مگر آپ زیادہ قصوروار اس لئے نہیں کہ آپ نے جھوٹ کو جھوٹ کی طرح ہی پیش کیا ہے ——— اس لئے معاف کئے جاتے ہیں۔" رعنا نے ہنستے ہوئے کہا"

یعنی اتنی دیر میں نے اپنا کلیجہ گلا یا اور آپ ہیں کہ ہنس رہی ہیں اور چھوٹا بنا رہی ہیں" فیروز نے کہا"

آپ بہت پرلطف ہیں" رعنا نے ہنستے ہوئے اس کی تعریف کی اور وہ خوش ہی ہو گیا۔ واقعی! ——— لیکن مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے" فیروز یہ کہتے کہتے ایک دم کچھ سا گیا"

کیوں؟ کیا میں بھوت ہوں" رعنا نے آنکھیں نکال کر کہا"

نہیں یہ بات تھا کہ کہیں آپ بھی دغا نہ کریں" فیروز نے کہا"

یعنی دغا بازی؟

میری مراد یہ ہے کہیں آپ بھی مجھے بیچ میں دغا دے کر نہ کہہ دیں۔" فیروز نے جملہ کو ڈرتے ڈرتے کہا"

آپ بھی عجیب آدمی ہیں ——— بھلا میرے کہنے یا نہ کہنے سے آپ کو کیا ——— پھر مجھے اب بھائی جی فیروز بھی نہیں لگتے" اس نے کہا"

کیوں بھائی جان کیوں نہیں لگتے؟" فیروز نے مصنوعی حیرت سے کہا"

وہ بہت چھوٹے تھے ان باتوں میں کیا لینا ہے" اس نے ٹالنا چاہا!"

نہیں آپ کو بتانا پڑے گا؟" فیروز نے بضد ہو کر کہا!"

میرے ایک بھائی نے دکھائی تھی یہاں پر جو چاند بابا پر پہنچا، ان میں نے مجھے چھوڑ دیا۔

ہے۔ مگر اب وہ بہت ترقی کر گئے۔ کافی بینک بیلنس ہے۔ اور کئی ملازم ان کے یہاں رہتے ہیں ——— جب سے میں یہاں آئی ہوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔ کہاں تو سنا ہے مہینوں گھر کی شکل نہ دیکھتے تھے۔ اور اب یہ عالم ہے کہ دوسرے دن آ جاتے ہیں۔ اور گھنٹوں مجھ پر اپنی دولت کی ڈینگیں مارا کرتے ہیں جتنا یہ کہ آج صبح محترم نے ڈیڈی کو میرے لئے شادی کا پیغام دے دیا۔

تو مطلب یہ کہ ابھی آشیانے کی دو رخ بیل ہی چڑھ رہی تھی کہ بجلی گر پڑی ——— آپ نے پیغام تو منظور کر لیا۔" فیروز نے رعنا نے لہجہ میں کہا"

جی ہاں! میں نے کہا ڈیڈی انکار کر دیا۔" رعنا نے غصہ سے کہا"

اوہ! آپ نے واقعی کمال کر دیا ——— اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو اب آپ اپنی ایران کہانی سنائیے۔

رعنا کافی دیر تک اپنے ایران کے قیام کے دوران کے حالات سناتی رہی اور تقریباً سات بجے رات کو دونوں ہوٹل سے نکلے۔ اور فیروز اسے ٹیکسی کے ذریعہ پہلے اسے آج گھر پہنچانے گیا۔ اس کے بعد اسی پر وہ واپس لوٹا۔

کولبری ہوٹل اب بھی جاگ رہا تھا۔ اور اس کی چہل پہل میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ آرکسٹرا کی مدھم لہریں ہال میں گونج رہی تھیں۔ اور مس شہانا رقاصہ جو آج ہی سے یہاں ملازم ہوئی تھی۔ سٹیج پر اپنے رقص کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ہال کی تمام نشستیں مہمانوں سے پر تھیں۔ ڈاکٹر وی سانگ ایک کونے کی میز پر بیٹھا ایک سیاہ سوٹ میں ملبوس شخص سے باتوں میں مصروف تھا۔ اور اس کی نشست پر اس کا ملازم مرچنٹ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اس کا دھیان شہانا کی طرف تھا۔

ڈاکٹر کچھ دیر تک وہیں بیٹھ کر گفتگو کرتا رہا۔ پھر وہ اس شخص کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرے میں داخل ہو کر مرچنٹ نے دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا۔ اور ڈاکٹر اس شخص کو لئے

ہوئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

دیکھئے مسٹر خالدی اب میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ یہاں کیا کیا جرائم پوشیدہ ہیں ڈاکٹر نے سیاہ سوٹ میں ملبوس شخص کو مخاطب کیا جس نے ہونٹوں پر مصنوعی مونچھیں اور آنکھوں پر چشمہ لگا رکھا تھا۔

میرا خیال ہے چیف کہ یہاں ضرور کوئی تہہ خانہ ہے " اس نے ڈاکٹر سے کہا "

گھبرائیے نہیں کل اس کا بھی پتہ لگا جاتا ہے ———— اور فیروز کہاں ہے میرا مطلب ہے۔ اب مارتھا یہاں آگئی ہے۔ اور اسے ضرور یہاں کے راز میں شریک کیا گیا ہوگا اس لئے فیروز کے کام کا وقت آگیا ہے ——— کیا خیال ہے آپ کا۔

جی ہاں خیال تو ٹھیک ہے۔ اچھا کل میں اسے بھیج دوں گا "خالدی نے کہا "

اس کے تھوڑی دیر بعد یہ لوگ آپس میں اس کیس کے پہلوؤں پر غور کرتے رہے اس کے بعد خالدی اٹھا اور آئینہ میں اپنا میک اپ ٹھیک کر کے باہر نکلا۔ باہر جاتے ہوئے اس نے سرجینٹ کو مخاطب کیا۔

دیکھو رحمان تم چیف کا خیال رکھنا کیوں کہ یہاں قدم قدم پر خطرہ ہو سکتا ہے۔

آپ بے فکر رہیں میں اپنی جان دے کر بھی چیف کو بچانے کی کوشش کروں گا " سے نے کہا "

شاباش ! اچھا اب رخصت یہ کہکر وہ باہر نکل گیا۔ راہداری میں اسے دور کا پر ایک شخص لمبے لمبے قدم اٹھاتا تیزی سے جاتا ہوا نظر آیا۔ لیکن خالدی نے کوئی دھیان نہ اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

اس نے اپنی کار باہر نکالی اور تیزی سے ساحلی روڈ پر ہو لیا۔ اس وقت گیارہ بج رہا تھا۔ اس لئے ٹریفک برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ اکا دکا کار یں یا لجری کا کوئی ٹرک وغیرہ گذر رہا تھا۔ ورنہ ویسے اس وقت سڑک بالکل سنسان تھی۔

جان بوجھ کر سست رفتاری سے چل رہا تھا۔ اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا تھا۔ آج اسے اپنے تعاقب کا یقین تھا۔ اور اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ پچھلی گرین کار اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ کیونکہ خالدی کی بیوک اتنی سلو اسپیڈ ہونے کے باوجود ابتک اس کار سے اتنی ہی آگے تھی جتنی کہ ہوٹل سے نکلتے وقت

خالدی نے ایکایک اپنی رفتار بڑھا دی۔ اور اس کی ہلکی پھلکی بیوک خاموش اور سنسان سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر رقص کر رہے تھے۔ اور نگاہیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں جس میں پچھلی کار کی مدھم ہیڈ لائٹس کا عکس نمایاں طور پر پڑ رہا تھا ——— گو کہ پچھلی کار سے اس کا فاصلہ بڑھ چکا تھا۔ لیکن اب اس کار کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔

سکندر برج سے اترتے ہوئے بائیں سمت پورٹ سکندر کے گوداموں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جس میں جگہ بہ جگہ ان اور آؤٹ ٹریفک گیٹ بنے ہوئے تھے۔ خالدی آج کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک بند گیٹ کی طرف کار موڑ دی۔ اور گیٹ پر گاڑی ٹھہرا کر انجن بند کر کے فوراً کار سے کود پڑا ——— چہار دیواری سے ملا ہوا ایک گہرا نالہ کھدا ہوا تھا۔ جو برساتی پانی کے نکاس کے لئے بنایا گیا تھا۔ مگر اب وہ خشک تھا۔ خالدی اسی میں اتر گیا۔ اور تیزی سے بھاگتا ہوا دوسرے گیٹ کی پیا کے نیچے پہنچ گیا۔

گرین کار خوش قسمتی سے اس گیٹ کے پاس آکر رک گئی۔ جہاں خالدی چھپا ہوا تھا۔ کار کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا شخص نکلا وہ کچھ دیر وہاں ٹہر کر ادھر ادھر کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد وہ جھکے جھکے دبے قدموں سے اسی نالے کی طرف بڑھا ——— خالدی اسے آتا دیکھ کر پلیا کی آڑ میں سمٹ کر چھپ گیا۔ در از قامت پر نالے تلے وہ نالے میں اتر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خالدی سے ایک گز کے فاصلے پر کھڑا

ہوا تھا۔ اس کا چہرہ خالدی کی کار کی طرف تھا۔ وہ ادھر بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور پشت پر خالدی کھڑا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو" خالدی نے اس کی پشت پر پستول چبھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے" دراز قد گرجا اور مڑنے لگا۔

"خبردار اگر ذرا بھی جنبش یا آواز نکالی تو تمہارے سر میں سوراخ ہو جائے گا" اس نے اس کی کھوپڑی میں پستول کی نالی لگا دی۔

"مگر تم ہو کیا بلا اور کیوں خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہو" وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

"پولیس۔۔۔۔" خالدی نے بتایا۔

"مگر مجھے کس جرم میں گرفتار کر رہے ہو" دراز قد کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"چپ چاپ اوپر چلو۔ جرم کی نوعیت عدالت میں معلوم ہو گی۔" خالدی نے تحکمانہ لہجے میں ڈپٹ کر کہا۔

"چلو اوپر چڑھو۔ اور اگر تم نے کوئی شرارت کی تو یاد رکھو میرا نام خالدی ہے" اس نے اس کی جیبیں ٹٹول کر اطمینان کرتے ہوئے کہا۔

دراز قد اوپر چڑھنے لگا ۔۔۔۔ ابھی وہ دو ہی قدم اوپر چڑھا ہو گا کہ یکایک خالدی پر پلٹ پڑا۔ جس کے لئے خالدی بالکل تیار نہ تھا۔ اور وہ خالدی کو لئے ہوئے نالے میں ڈھیر ہو گیا ۔۔۔۔ پستول چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ اور خالدی اب پوری طرح اس کی گرفت میں تھا۔ دراز قد نے یہ اطمینان کر کے کہ اب اس کے ہاتھ میں پستول نہیں ہے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن تھام لی ۔۔۔۔ خالدی بھی موم کا بنا ہوا نہ تھا۔ اس نے اپنی پوری قوت سے اس کے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی مگر خالدی نیچے دبا ہوا پڑا تھا۔ اس لئے اس کا پورا زور نہیں صرف ہو رہا تھا۔ اور دراز قد کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس لئے خالدی نے مدافعت کی بجائے

اس کی ناک اور منہ پر پے در پے کئی زوردار گھونسے جمائے جس سے وہ کچھ آڑا ترچھا ہوا اور اس سے خالدی کی ٹانگیں آزاد ہو گئیں۔ اور پھر خالدی نے اپنا پرانا داؤ استعمال کیا۔ یعنی دونوں پاؤں اس کے سینے پر ٹکا کر اسے دور پھینک دیا۔ لیکن وہ کچھ ایسا سخت جان ثابت ہوا۔ کہ ابھی خالدی کھڑا ہی ہوا تھا کہ اس نے پھر سے آ دبوچا اور گریبان پکڑ کر اس زور کا ٹکر رسید کیا کہ خالدی پلیا کے نیچے جا پڑا۔ اور اس بار خالدی کا سر پلیا کی کگار سے ٹکرانے سے بال بال بچ گیا ۔۔۔۔ خالدی کے گرتے ہی دراز قد پھر اس پر جھپٹا مگر خالدی فوراً ایک طرف لڑھک گیا۔ اور وہ زمین پر آ رہا۔ اس اثنا میں خالدی کھڑا ہو گیا۔ مگر پلیا کی چھت اتنی نیچی تھی۔ کہ وہ گردن جھکا کر کھڑا ہو سکا۔ اور دراز قد جونہی سیدھا ہوا کہ خالدی نے اس کے جبڑے پر اس زور کا مکہ مارا کہ اس کا سر پلیا کی چھت سے ٹکرا گیا۔ اور اس دو طرفہ مار سے اس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ اور اب خالدی نے اس پر مکوں کی بارش کر دی۔ حتیٰ کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ خالدی نے فوراً اپنی اور اس کی ٹائی کھول کر دونوں سے اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ اس کے بعد وہ اسے وہیں چھوڑ کر اپنی کار پر آیا جہاں سے اس نے ایک ہتھکڑی لی۔ اور وہیں پہنچ کر اس کے ہاتھوں میں ڈال دی۔ اس کام سے فراغت کر کے اس نے پستول تلاش کیا۔ اور اسے کاندھے پر لاد کر اپنی کار پر لے آیا۔

فیروز جب رعنا کو نارچ منزل چھوڑ کر کوٹھی پہنچا تو خالدی موجود نہیں تھا حالانکہ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ وہ آج بڑا خوش خوش کوٹھی آیا تھا۔ کیونکہ اول تو رعنا سے اس کی یہ پہلی نشست بڑی کامیاب رہی تھی۔ دوسرے اس گفتگو سے اس نے ایک خاص بات معلوم کر لی تھی۔ مگر یہاں خالدی کو موجود نہ پا کر وہ بجھ سا گیا تھا۔ اور اب جیسے جیسے وقت بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے ہی ویسے اس کی پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا جا

رہا تھا۔ آخر کار بارہ بجے اس سے نہ رہا گیا اور وہ اٹھ کر باہر نکلا اور گیراج کی طرف بڑھا کہ اسے خالدی کے کمرے کے نیچے ایک متحرک سایہ نظر آیا۔ اور دوسرے لمحہ غائب ہو گیا۔ فیروز اس طرف جھپٹا لیکن قریب پہنچ کر اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اس نے ٹارچ نکال کر اچھی طرح جائزہ لیا۔ لیکن وہاں کسی قسم کے نشانات نہ تھے۔ اس نے سوچا کہ یہ لگا ہوں کا دھوکہ یا دماغی واہمہ ہو کیونکہ وہ خالدی کے لئے پریشان تھا۔ اور ایسے وقتوں میں انسان کے دل میں برے ہی برے خیال آیا کرتے ہیں۔ الغرض وہ تیزی سے گیراج کی طرف بڑھا۔ مگر جونہی وہ تالا کھولنے لگا۔ کہ خالدی کی موٹر آتی ہوئی نظر آئی۔

"اوہو! تو گویا آپ بھی ابھی آ رہے ہیں" خالدی نے قریب پہنچ کر کہا۔"

"جی نہیں! میں اب آپ کو ڈھونڈنے جانے والا تھا۔ کہ نئے شہر میں کہیں کھو نہ گئے ہوں" فیروز نے گیراج کا پھاٹک کھولتے ہوئے جواب دیا۔"

"چلو خیر اچھا ہوا تم یہاں مل گئے تمہارے لئے میں ایک شاندار شکار لا رہا ہوں۔" اس نے گاڑی اندر کھڑی کر کے اترتے ہوئے کہا۔"

"چلو ادھر آ جاؤ" یہ کہہ کر وہ پچھلی نشست کی طرف بڑھا فیروز نے قریب پہنچ کر دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا شخص پچھلی نشست پر بیہوش پڑا ہے جس کے سر سے خون رس رہا ہے۔

دونوں نے اسے باہر نکالا اور لاد کر ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ جہاں خالدی نے اس کے سر کی ڈریسنگ کر کے بینڈیج کر دی ——— کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا وہ ایک صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے یہاں کیوں لائے ہو" اس نے مدھم آواز میں پوچھا"

"محبت کرنے کے لئے" فیروز نے اسی طرح سادگی سے جواب دیا۔"

"خاموش رہو فیروز" خالدی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "کہ اس وقت اسے بند کر دو صبح تک دماغ درست ہو جائے گا ——— خالدی نے اس کے لئے ایک کمرہ الگ مخصوص کر دیا تھا جس میں وہ ایسے لوگوں کو اپنی حراست میں رکھتا تھا۔ حالانکہ یہ طریقہ غیر قانونی تھا۔ مگر بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب فیروز اسے بند کر کے واپس لوٹا تو اس نے اپنی اور رعنا کی گفتگو کا وہ حصہ خاص طور سے سنایا جس میں اس نے سیٹھ جبار بیٹ جو گنیش ناتھ کی دعوت کے بارے میں بتایا تھا۔ خالدی یہ سن کر خاموش ہو رہا۔ اور اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر تاریکیوں میں ڈوب گئیں۔

"تمہاری آج کی آوارہ گردی بیکار نہیں گئی" خالدی نے کچھ دیر بعد مہر سکوت توڑتے ہوئے کہا"

"تو گویا میں آوارہ ہوں ——— یہ ایک ہی رہی ایک تو آپ کی وجہ سے اتنے پاپڑ بیلے اسے دعوت دی۔ روپے خرچ کئے صرف معلومات ہی کے لئے ——— جس کا یہ انعام ملا ہائے رے زمانے" اس نے عورتوں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر کہا"

"چلو کوئی بات نہیں۔ یہ عشق تم نے اپنے پیسوں سے کیا اور ایک دوسرا عشق تم گورنمنٹ کے خرچ سے کرو گے" خالدی نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کا جائزہ لیا"

"دوسرا عشق!! ——— کس سے" فیروز اچھل پڑا

"ٹارتا سے ——— جو اب کولمبو میں ملازم ہو گئی ہے" خالدی نے کہا"

"میں اس کے منہ پر بھی نہیں تھوکوں گا" فیروز تیز لہجہ میں بولا"

"ڈرو نہیں وہاں جانے کی نوبت نہیں آتا" خالدی نے جھوٹ کہا"

"تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس سے ڈر کر ٹارتا سے نہیں ملتا ——— خدا کی قسم میں کل ہی اس سے ملو نگا" فیروز پانی پانی ہو گیا"

"اچھا اب سو جاؤ۔ وقت زیادہ ہو چکا ہے۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

فیروز اپنے کمرے میں پہنچ کر سیدھا میز کے پاس گیا۔ اور دراز سے پستول اور کارتوس نکال کر اس نے پستول لوڈ کیا اس کے بعد اس نے بتی بجھا دی اور خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

دراصل گیراج کے قریب ایک واضح انسانی سایہ جسے اس نے واہمہ قرار دے کر بھلانا چاہا تھا۔ اسے بار بار کھٹک رہا تھا۔ اور اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ خطرہ قریب ہے اور اب جبکہ خالدی ایک شخص کو گرفتار کرا چکا تھا۔ تو اس کا یہ خیال پختہ ہو گیا۔ مگر پھر بھی اس نے خالدی سے بتانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ کہ ہو سکتا ہے اس کا یہ خیال محض خیال ہی نکلے اور اسے پشیمانی ہو اس لئے وہ اپنے طور پر اس کی جانچ کرنا چاہتا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ دبے قدموں کمرے سے نکلا اور سنسان راہداری کو طے کرتا ہوا برآمدے میں آ گیا۔ ایک کھمبے کی آڑ لے کر اس نے اندرونی اور بیرونی جائزہ لیا۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ اس لئے ہر طرف گہری تاریکی مسلط تھی۔ مگر اسے دیکھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ کافی دیر سے اندھیرے میں بیٹھا رہا۔ اس لئے اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئی تھیں۔ وہ دیوار کی آڑ لیتا ہوا آہستہ آہستہ پورٹیکو میں داخل ہوا۔ ایک پل کے لئے رک کر اس نے سامنے لگی ہوئی ریلوے بیل اور چہار دیواری کا جائزہ لیا۔ جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سوائے گیٹ پر سنتری چوکیدار کی آواز کے جو کبھی کبھی "جاگتے رہو" کی آواز لگا لیتا تھا۔ یا جھینگروں کی چائیں چائیں کے جو اس بھیانک سکوت میں زندگی کے آثار پیدا کر رہے تھے۔

فیروز نے ایک بار کوٹھی کا پورا چکر لگایا۔ مگر اسے کوئی بھی غیر معمولی بات نظر نہ آئی وہ پھر برآمدے میں داخل ہوا۔ اور آہستہ آہستہ راہداری میں کے سرے پر پہنچا جہاں سے اسے تمام کمرے نظر آ رہے تھے۔ اور انہیں میں وہ کمرہ بھی تھا جس میں وہ دراز قد بند تھا —— راہداری میں کوئی متنفس نہ تھا۔

اس نے سوچا میں بھی کتنا بڑا احمق ہوں۔ کہ خواہ مخواہ اپنی نیند خراب کر رہا ہوں۔ یہ سوچ کر وہ اپنے کمرہ کی طرف بڑھا لیکن جیسے ہی وہ دروازہ کے قریب پہنچا کہ اسے کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔ اس نے کان لگا کر آواز سنی تھوڑی دیر خاموشی رہی اور پھر "سی سی" کی آواز آئی —— وہ اپنی جگہ پر بالکل سانس روک کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر بعد پھر وہی "سی سی" اور اس کے بعد کسی کے کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز ہوئی اور پھر چٹ چٹ جیسے کوئی ننگے پاؤں پنجے کے بل چل رہا ہو اور اس کے گھٹنے چٹخ رہے ہوں —— فیروز نے جوتے اتار دئے۔ اور جلدی سے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی سماعت بڑی تیزی سے کام کر رہی تھی۔ اور اب اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے کواڑ کی درز سے آنکھ لگا دی۔ کچھ دیر تک تو اسے کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن چند ہی سیکنڈ بعد وہ حالات کو سمجھ گیا۔ اور دوسرے ہی لمحہ وہ تیر کی طرح اپنے کمرے میں داخل ہوا اور کمند لے کر تقریباً دوڑتا ہوا وہ چھت پر جانے والے زینے پر چڑھنے لگا۔

ایک منزلہ کوٹھی کی چھت پر تقریباً آدھے گز کی منڈیر اٹھی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح تمام کمروں کے آثاروں پر اسی قسم کی منڈیریں بنی ہوئی تھیں۔ جو تمام کمروں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی تھیں

فیروز نے چھت پر پہنچ کر منڈیر سے اوپر سر اٹھایا۔ اور دوسرے ہی لمحہ ٹھٹک گیا۔ اس حوالات کے کمرے پر ایک انسانی سایہ دیکھا جو جھکا ہوا تھا —— فیروز نے کمند کھولی اور رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر وہ انتظار کرنے لگا۔ اور جیسے ہی وہ سایہ سیدھا ہوا کہ ایک سرسراہٹ ہوئی۔ اور دوسرے لمحہ وہ سایہ ہلکی کراہ کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔ کمند کا پھندا ٹھیک اس کی گردن میں پڑا تھا۔

فیروز نے جلدی جلدی رسے تیزی سے تین چار جھٹکے دئے۔ تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے

ورنہ دوسری صورت میں ہو سکتا تھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا اور فیروز کے الٹی آنتیں گلے پڑتیں۔ بہرحال جب اس نے اندازہ کر لیا کہ وہ بیہوش ہو چکا ہے تو قریب پہنچ کر اس نے بغیر دیکھے بھالے اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ اس نے چھت کو نظر ڈالی تو اسے ایک بڑا سا شگاف نظر آیا۔ اور قریب ہی نقب زنی کے جدید ترین اوزار پڑے ہوئے تھے۔

فیروز نے کچھ دیر کھڑے ہو کر سوچا۔ اس کے بعد اس نے اس نیم بیہوش شخص کو اٹھا کر اسی شگاف کے ذریعے کمرے میں اتار دیا اور اس کے بعد بقیہ رسی بھی اس میں ڈال کر چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ اور سیدھا پھاٹک پر پہنچا جہاں دو پٹھان چوکیدار اور ایک کانسٹبل پہرے پر موجود تھے۔ فیروز نے کانسٹبل کو اوپر بھیج دیا کہ صبح تک وہ اسی شگاف کے پاس پہرا دے۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو ساڑھے تین بج رہے تھے۔

موت کی کرسی

دوسرے دن خالدی بہت صبح بیدار ہوا۔ کمرے سے نکلتے وقت اس کی نظر حوالات کے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ سامنے کی قطار میں تیسرے نمبر پر وہ کمرہ تھا۔ خالدی کے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ اس نے سوچا کہ ایک نظر ڈالتے ہوئے باتھ روم چلا جائے لیکن جب اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ تو اسے عجیب ہی ماجرا نظر آیا۔ وہ حیرت میں ڈوب گیا۔ مگر سب سے زیادہ حیرت اسے کمرے کے اندر پھیلی ہوئی روشنی پر تھی۔ چند سیکنڈ وہ اپنی جگہ مبہوت بنا کھڑا رہا۔ اس کے بعد وہ اوپری زینے کی طرف لپکا اور تیزی سے اوپر چڑھ گیا۔

چند منٹ بعد وہ خوش و خرم آہستگی کے ساتھ نیچے آیا۔ اور باتھ روم میں گھس گیا۔

ناشتے کی میز پر فیروز نے لپک لپک کر اپنی بہادری کے کارنامے اسے سنائے کہ کس طرح اسے سایہ نظر آیا۔ اور کن کن طریقوں سے اس نے اسے گرفتار کیا۔

ناشتے سے فراغت کر کے دونوں ملاقاتی کمرے میں آ بیٹھے۔

آپ نے اتنی بھاگ دوڑ اور رنگ و دو کے بعد ایک ایسے شخص کو پکڑا جسے مجرم

...بت کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ اور میں نے باقاعدہ ایک مجرم کو گھر بیٹھے گرفتار کیا ہے جناب" فیروز نے فخریہ کہا"

"اچھا اچھا زیادہ بکواس مت کرو ——— چلو ذرا ان دونوں سے مل لیں" یہ کہہ کر خالدی اٹھا۔ ساتھ ہی فیروز بھی چل دیا ——— حوالات کے کمرے میں سوائے ایک بنچ کے کوئی سامان نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی کھڑکی وغیرہ تھی۔ دراز قد شخص بنچ پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بدستور ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور سر میں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ خالدی اور فیروز کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سرخ سرخ آنکھوں سے انہیں گھورنے لگا۔ دوسرا شخص رسیوں سے جکڑا ہوا اب تک وہیں پڑا تھا۔ جہاں فیروز نے انہیں ڈالا تھا۔ وہ ایک سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہنے ہوئے تھا۔ اور سیاہ کریپ سول جوتا پیروں میں پڑا تھا ——— یہ ایک بھرے ہوئے جسم کا جوان تھا۔ جس کا چہرہ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ اور بائیں گال پر زخم کا ایک بڑا سا نشان تھا۔ اور سر پر گھنگھریالے بال تھے۔ جو اب بے ترتیبی سے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ زمین پر اس طرح پڑا اطمینان سے سو رہا تھا جیسے کوئی بات نہ ہو۔

"کہو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی دوست" فیروز دراز قد کو متوجہ کیا" لیکن وہ بت بنا بیٹھا رہا۔

"دیکھو اگر تم ٹھیک ٹھیک بتا دو گے کہ تم کس کی طرف سے کام کر رہے ہو تو میں تمہیں معافی دلوا سکتا ہوں۔ ورنہ پھر تم جانتے ہو کہ تمہارا حشر کیا ہوگا" خالدی نے اس سے "[illegible]" کی"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ اور نہ ہی آپ مجھ سے کچھ اگلوا سکتے ہیں" دراز قد نے کہا"

"اچھا تو دیکھئے" یہ کہہ کر اس نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ اور سہارا دیتے ہوئے اپنے ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جو اچھا خاصا ڈرائنگ روم معلوم ہوتا تھا۔ دیواروں پر

سیاہ پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور کمرے کے عین وسط میں ایک لوہے کی اونچی کرسی پڑی ہوئی تھی۔ اور نیچے ایک موٹر فٹ تھا۔ خالدی نے دیوار پر لگے ہوئے بٹن کو دبایا۔ گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور موٹر اسٹارٹ ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور بٹن دبایا۔ جس سے تمام بتیاں بجھ گئیں صرف ایک سرخ بلب جلتا رہا۔ جو عین لوہے کی کرسی کے اوپر تھا۔ چند ساعت بعد کرسی کو حرکت ہوئی۔ اور وہ گھومنے لگی۔ اس کی رفتار رفتہ رفتہ تیز ہو گئی۔ اور بالکل چرخی کے مانند گھومنے لگی۔ اور اس کی رفتار کے ساتھ ساتھ بلب کی سرخی بڑھتی گئی۔ اور کچھ دیر بعد بلب اسپارک کرنے لگا۔ اور اس میں سے برقی رو خارج ہو ہو کر کرسی پر گرنے لگیں۔

"یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی ——— میں ایسے مجرموں کو جو مجرم ہوتے ہوئے قانون کی گرفت سے بچے رہتے ہیں ہلاک کر دیتا ہوں۔ اور ان کی لاشوں کو اسی طرح ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر خالدی نے ایک کونے میں پیر سے کچھ دبایا۔ اور کرسی سے تھوڑا ہٹ کر کمرے کا درمیانی حصہ فرش سے نیچے دھنس گیا۔

"اس کا تعلق گٹر سے ہے جو لاش کو بہاتا ہوا سمندر میں لے جاتا ہے" خالدی نے ہنستے ہوئے دراز قد کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اس کے چہرے سے خوف مترشح تھا۔

"نہیں نہیں میں ایسی بھیانک موت پسند نہیں کروں گا" اس نے خوف اور دہشت کے ملے جلے الفاظ میں کہا"

"ہاں یہی میں کہتا ہوں کہ چند سکنڈ کے عوض تم بیجا جان کیوں گنوا دو" یہ کہہ کر خالدی نے موٹر بند کر دیا اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ "اچھا جلدی بتا چلو"

"لیکن چودھری مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ وہ نہایت ظالم اور مکار ہے" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس انداز سے کہا جیسے وہ کہیں قریب ہی کھڑا ہو اور ان کی گفتگو

سنا رہا ہو"

کون چودھری؟ خالدی نے پوچھا"

سپیکر صاحب کا دست راست، اور شریک کار۔ اس نے سرگوشی میں کہا"

ہونہہ ——— تم فکر مت کرو۔ یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔۔۔۔۔۔ اور اس کمرے کی دیواروں کے بھی کان نہیں ہیں کیونکہ ان پر فولادی چادریں چڑھی ہوئی ہیں" خالدی نے اسے تسلی دی"

میں بدایوں کا رہنے والا ہوں۔ اور میرا تعلق ایک شریف خاندان سے ہے مگر میری سوسائٹی والد کا سایہ اٹھ جانے سے خراب ہو گئی۔ اور میں بری عادتوں میں پڑ گیا۔ تقسیم ہند کے ہندو مسلم فسادات میں میں نے۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گیا" اور میرا اصلی نام اسلام الحق تھا مگر اب مجھے رستم کہتے ہیں"

ہاں ہاں کہو رک کیوں گئے"

فسادات کے دوران میں نے کافی لوٹ مار کی اور یہاں بھاگ آیا۔ مگر یہاں سپیکر کے چکر میں پڑ کر تمام روپیہ برباد ہوا۔ اور مجھے اس کی ملازمت کرنی پڑی۔

ملازمت! کس قسم کی ملازمت" خالدی نے پوچھا"

آج کل کا سپیکر کل کا جانا پہچانا ٹیلر تھا۔ اس وقت یہ مالی اعتبار سے بہت پریشان تھا۔ اس لئے یہ مجھ کو بہت ڈاکے ڈلواتا تھا۔ پھر اس نے خود ایک بہت بڑی جگہ سیٹھ داؤد جی کے یہاں ڈاکہ ڈالا۔ اور کوہیری ہوٹل کی داغ بیل ڈالی۔ جو دو بہت ہوٹل اور نیچے سے جنت ہے ——— ارضی جنت" وہ خاموش ہو گیا۔

کیا مطلب" خالدی نے استفسار کیا"

اس نے ہوٹل کے نیچے تہہ خانہ بنوا رکھا ہے۔ جہاں تمام شہر کی اغوا شدہ لڑکیاں محبوس ہیں۔ اس نے تہہ خانے میں تمام رقص خانہ بھی قائم کر رکھا ہے جہاں سپیکر یا چودھری کے منتخب کردہ لوگ ہی جاتے ہیں۔ اور ایسے ممبروں کی تعداد تقریباً ڈھائی ہزار ہے جو سب کے سب روزانہ تو نہیں جاتے مگر پھر بھی روزانہ کو تین چار سو ممبر ضرور جاتے ہیں۔ اور لڑکیاں ان کا دل بہلاتی ہیں۔ اور جو لڑکی ایسا نہیں کرتی اسے چودھری سخت سزا دیتا ہے۔

اف۔۔۔۔۔۔ تو تم نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دئے ہیں" خالدی نے متاسف لہجہ میں کہا" کیا تمہیں اس تہہ خانہ کا راستہ معلوم ہے۔

جی نہیں ——— یہی تو سپیکر میں ایک خاص بات ہے۔ کہ وہ کسی کو خواہ پارٹی کا کوئی شخص ہو یا ممبر کسی کو بغیر آنکھوں پر پٹی باندھے اندر نہیں جانے دیتا۔ اس راستہ سے صرف سپیکر، چودھری" اور اس کے خاص چند معتمد جو تہہ خانہ کے اندر ہی رہتے ہیں۔ اور وہاں کے انتظامات انہیں کے سپرد ہیں۔ یہ لوگ جو بیرونی ورکر ہیں سال میں صرف دو بار اندر جا سکتے ہیں۔

اچھا خیر چھوڑو اتنا ہی بہت کافی ہے ——— اب بتاؤ یہ دوسرا شخص کون تھا" خالدی نے پوچھا"

یہ میرا ساتھی ولاور ہے جو تہہ خانے میں کافی ماہر ہے" اس نے بتایا"

اچھا دیکھو میں تمہیں ابھی حوالات میں بھجوائے دیتا ہوں۔ مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ تم کو وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے پیش کروں گا" خالدی نے اس سے کہا"

حوالات؟

ہاں رہنے میں تمہارے لئے خطرہ ہو سکتا ہے۔ اور حوالات میں تم محفوظ بھی رہو گے۔ اور پھر یہ سمجھے گا کہ تم لوگوں نے ہمیں کچھ نہیں بتایا ہے" خالدی نے اسے سمجھایا" اور رستم کو ہمراہ لے کر نکل کر پھر اسی کمرے میں آ گئے جہاں وہ کمرے میں موجود تھا۔ وہ ولاور سے پوچھ گچھ میں مصروف تھا۔

خالد نے رستم کو کمرے ہی میں چھوڑا۔ اور خود رستم کے ساتھ کمرے کو تالا بند کر کے ہوا سے چلتے بنا آ گیا اس نے کوتوالی انسپکٹر کو فون کیا کہ جلد موٹر بھیجیں وہ ان کو گرفتار کر لے جائے۔

اس کے بعد وہ فیروز سے مخاطب ہوا۔

"دیکھو مظفر نے پران دونوں کو حوالات بھجوا دیا اور چالان کے بارے میں ملنے مشتغل رستم کے متعلق لکھوا دیا کہ مشتبہ حالت میں پورٹ سکندر کے قریب سے گرفتار کیا گیا۔ اور دوسرا شخص جس کا نام دلاور ہے اس کے بارے میں تم خود جانتے ہو ——— اس کام سے تم فارغ ہو کر تم آفس چلے جانا۔ دو رگزشتہ دو سال کے عرصہ میں ایسی اغوا شدہ لڑکیوں کی رپورٹ مرتب کرنا جو تا حال برآمد نہ ہو سکیں علاوہ ازیں بڑے بڑے ڈاکوؤں کی مفصل رپورٹ بھی درکار ہے۔ یہ کام عاقل کے سپرد کر دینا۔

"اور کچھ؟" فیروز نے پوچھا"

"اور نہیں باس۔۔۔۔۔ مجھے شام تک دونوں رپورٹیں درکار ہیں" خالد نے اسے منع کیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔

گیراج سے اس نے کار نکالی اور تیزی سے باہر نکل گیا ——— شارع جہانگیر پر پہنچ کر ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے رفتار سست کرنی پڑی لیکن یہ حالت زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ جہانگیر سٹریٹ پر کار مڑتے ہی گویا ہوا سے باتیں کرنے لگی ——— ٹیلیفون ایکسچینج کی خوبصورت عمارت سر اٹھائے کھڑی تھی جیسے اسے اس علاقہ کی تمام عمارات ہیچ معلوم ہو رہی ہوں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ کہ اس کا نقشہ کسی بہترین آرکیٹکٹ کا مرتب کردہ تھا۔ خالد کی کار پھاٹک میں داخل ہوئی۔ اور سرخ بجری کے راستے کو قطع کرتی ہوئی کار پارک میں جا کر ٹھہر گئی۔ خالد اتر کر سیدھا عمارت میں داخل ہوا۔ اور چند منٹ بعد ... بجے سہ پہر کا ٹرنک کال بک کرا کے باہر کار پر آ بیٹھا اور اس کی کار سیاہ و سپاٹ روڈ کے سینے پر دوڑنے لگی۔ اور کچھ دیر بعد جنرل پوسٹ آفس کی عمارت کے قریب پہنچ کر اس کی کار ٹھہر گئی۔ اس نے تہران سی آئی ڈی آفس کو ٹیلیگرام کیا۔ اور پھر اس کی کار روانہ ہو گئی۔

تقریباً دو گھنٹے تک اسی کی کار مختلف سڑکوں اور گلیوں کا چکر کاٹتی رہی۔ اس

دوران میں وہ کہیں کہیں رکا۔ اس کے بعد وہ تاج منزل جانیوالی ٹمپل روڈ پر ہو لیا۔

جب اس کی کار تاج منزل میں داخل ہوئی۔ تو بارہ بج چکا تھا۔ وہ چبوترے کو طے کرتا جب ملاقاتی روم میں پہنچا تو وہاں سوائے نسترین کے اور کوئی نہ تھا۔ وہ خالد کو دیکھ کر مسکرا اٹھی۔

"بابا کہاں ہیں؟" خالد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا"

"اندر ہیں ——— بلاؤں" نسترین نے پوچھا"

"ہاں بلاؤ انہیں ——— اور رعنا جان وغیرہ کہاں ہیں؟" خالد نے مزید پوچھا"

"رعنا بیگم تو ہیں مگر علی جان صاحب آج صبح ہی سے کہیں گئے ہوئے ہیں۔" یہ کہتا ہوا وہ باہر نکل گیا ——— کچھ دیر بعد اس نے واپس آکر بتلایا کہ بابا ابھی آتے ہیں اور اس سے پہلے کہ بابا آئیں رعنا مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"اہا! انسپکٹر صاحب آپ ——— کہئے کیسے مزاج ہیں؟" اس نے قریب ہی کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا"

"ٹھیک ہوں ——" خالد نے مختصر سا جواب دیا"

"اور وہ فیروز۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے سارجنٹ فیروز کہاں ہیں نظر نہیں آئے۔" اس نے مسکراتی نگاہوں سے پوچھا"

"وہ ذرا مصروف ہے" خالد نے کہا اور دروازہ کی طرف دیکھنے لگا۔ بابا کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد خالد کے اصرار پر بابا نے بتلایا کہ اسے جب سے منتقل ہوا ہے عجیب عجیب وحشتناک خواب دکھائی دیتے ہیں۔ اور خواب بھی ایسے بعض اوقات تو میں نے جاگتے میں بھی پراسرار سایہ کو چلتے پھرتے دیکھا ہے۔

"ہوں ——— اور کوئی خاص بات" خالد نے پوچھا"

"نہیں اور تو ابھی کوئی قابل ذکر بات نہیں" بابا نے جواب دیا"

اس کے بعد خالدی بابا کو ایک طرف لے گئے۔ اور تھوڑی دیر تک دونوں میں سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد خالدی وہاں سے نکل کر سیدھا کار پر آیا اور اس کی کار چپل روڈ کا سینہ چیرنے لگی۔

کچھ دیر بعد اس کی کار سی۔ آئی۔ ڈی ہیڈکوارٹر میں داخل ہوئی اور جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو فیروز اور عادل کو اپنی اپنی میزوں پر فائلوں میں الجھے ہوئے پایا۔

"کہو عادل تاج منزل کی کیا رپورٹ ہے؟" خالدی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آج دو روز سے میرے آدمی وہاں مستعد ہیں۔ لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ ظہیر جس کی ڈیوٹی خاص تاج بابا کے کمرے کی لپشت پر ہے اس کا کہنا ہے کہ رات کو دو بجے کمرے کے اندر چاپ سنائی دی جیسے کوئی چل رہا ہو۔ اور کبھی کبھی بابا کی سہمی ہوئی آواز بھی سنائی دی" عادل نے بتایا۔

"اچھا۔۔۔۔ کام کرو" خالدی نے کہا۔ اور مجرموں کا فائل نکال کر اس میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ فیروز اپنے کام میں مشغول تھا۔ اور اس نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

کچھ دیر بعد سارجنٹ رحمٰن کمرے میں گھبرایا ہوا داخل ہوا۔ اور خالدی کی میز کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔

"کیا بات ہے رحمٰن۔۔۔ خیریت؟" خالدی نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ معاملہ کیا ہے ——— اقبال صاحب کہاں چلے گئے" رحمٰن نے متاسف لہجہ میں کہا۔

"آخر ہوا کیا؟۔۔۔۔ اطمینان سے بیٹھ کر بتاؤ" خالدی نے کہا۔

"آج صبح سویرے جب سو کر اٹھا تو چیف صاحب موجود نہ تھے۔ میز پر ایک پرچہ رکھا ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ میں ایک کام سے باہر جا رہا ہوں۔ دوپہر تک لوٹ آؤں گا۔ فکر مت کرنا۔ تب سے اب تک میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ مگر وہ نہیں لوٹے ہیں۔

سوچا یہاں دیکھ لوں شاید آئے ہوں مگر وہ اپنے کمرے میں بھی نہیں اور نہ ہی گھر پر ہیں۔"

"کیا تمہارے پاس وہ پرچہ ہے" خالدی نے پوچھا۔

"ہاں" یہ کہہ کر اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا مگر دوسرے لمحہ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اور منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے جلدی جلدی تمام جیبیں دیکھ ڈالیں۔

"پرچہ غائب ہو گیا؟ ——— ٹھیک" خالدی نے کہا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اب فیروز بھی ان کی باتوں سے دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے خالدی کے چہرے پر وہ نشانیاں دیکھ لیں جو اکثر کیسوں کے ڈراپ سین کے وقت وہ دیکھ چکا تھا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں" رحمٰن نے پرچے کے گم ہونے پر افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں رحمٰن! یہ تو ہماری جیت ہوئی بد دل ہونے کی کوئی وجہ نہیں خدا کی قسم اب صیاد خود اپنے دام میں پھنسنے والا ہے۔ فکر نہ کرو۔ اور اسی وقت جا کر کمرہ سے تمام سامان اٹھا لاؤ۔ اس کے بعد چار سادہ پوشوں کو لے کر کوٹھری کی شب و روز نگرانی کرو۔"

"کیا قاتل کا سراغ مل گیا؟" فیروز نے پوچھا۔

"بس شرلاک ہومز کے بھتیجے تم ایسے ہی بے تکے سوال کرتے۔ ارے میاں کچھ کڑیاں مل گئی ہیں۔ باقی جو ہیں وہ بے ہنگم ہیں۔ اور وہ دائروں میں فٹ نہیں ہوتیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ انشاء اللہ کچھ تو شام تک فٹ ہو جائیں گی۔ اور باقی پرسوں ——— اور وہ بھی اس وقت جب ہم قاتل کو گرفتار کر لیں گے۔" یہ کہہ کر خالدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے دو بجا تھا۔ اس لئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

سب سے پہلے وہ کوٹھی گیا۔ جہاں اس نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد پھر اس نے کار سنبھالی اور جب وہ ٹیلیفون ایکسچینج پہنچا تو تین بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے بہرحال پانچ منٹ انتظار کے بعد اسے کال مل گئی جس پر وہ تقریباً آدھ گھنٹے تک گفتگو کرتا رہا۔ اور جب وہاں سے نکلا تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ کوتوالی پہنچا اور رستم کو حوالات سے بلوا کر ایک الگ کمرے میں دیر تک اس سے گفتگو میں مصروف رہا۔ اس کے بعد اس نے رستم کو پھر واپس حوالات بھیج دیا۔ اور انسپکٹر مظفر کو ایک لسٹ دیتا ہوا بولا۔

دیکھئے یہ تیس مختلف شخصیتوں کے نام اور پتے ہیں جن میں سے زیادہ نہیں صرف پندرہ اشخاص کو کوتوالی میں کل شام تک درکار ہیں لیکن اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو حتیٰ کہ ان کے گھر والوں کو بھی یہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ یہاں لائے گئے ہیں۔ میں انھیں صرف تین گھنٹے بعد چھوڑ دوں گا۔

لیکن خالدی صاحب آپ جانتے ہیں کہ وہ معزز لوگ ہیں۔ بھلا ہم انھیں کس طرح روک سکتے ہیں۔" انسپکٹر مظفر نے کہا۔

"وہ آپ اس کی فکر نہ کریں اگر ان معززوں نے کوئی گڑبڑ کی تو میں انھیں بغیر پھانسی نہ مانوں گا۔ میرے پاس اس بات کے ثبوت مہیا ہیں کہ وہ مجرموں سے ساز باز رکھتے ہیں" خالدی نے پر رعب لہجہ میں کہا۔

"تو پھر کوئی بات نہیں میں انھیں مہیا کر دوں گا۔"

"اچھا تو پھر رخصت" یہ کہتا ہوا وہ باہر نکل آیا۔

تقریباً ساڑھے چار بجے وہ کوٹھی واپس لوٹا۔ وہ اس وقت بڑا مسرور تھا ——— فیروز ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

"کہو رپورٹ مکمل ہو گئی" خالدی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں دونوں رپورٹیں مکمل ہو گئی ہیں" فیروز نے اسے فائل تھماتے ہوئے کہا۔

خالدی نے رپورٹوں پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اغوا شدہ لڑکیوں کی تعداد دو سو ستاون تھی۔ اس نے وہ فائل رکھ دی۔ اور دوسری فائل دیکھنے لگا۔ یہ اٹھائیس ڈاکوؤں پر مشتمل تھی جس کی تاریخیں اور مقامات سب کی تفصیل موجود تھی ———

اس نے فائلوں کو الماری میں رکھوا دیا۔ اور سگریٹ سلگا کر اطمینان سے کش لگانے لگا۔

"اچھا دیکھو میں آج رات آٹھ بجے کی ٹرین سے کشن گڑھ جا رہا ہوں۔ صبح دس بجے تک واپس آ جاؤں گا لیکن تم ذرا ادھر ادھر مت جانا۔ کیونکہ دشمن ہوشیار ہو چکا ہے اور میری روانگی کی اطلاع کسی کو کسی حال میں بھی نہ ہونا چاہیئے" خالدی نے کچھ دیر بعد فیروز سے کہا۔

"کشن گڑھ جا رہے ہیں ——— کیوں کیا قاتل وہاں جا پہنچا" فیروز نے کہا۔

"ہاں! ——— خالدی نے مختصر سا جواب دیا۔ اور وہ سوچنے کے موڈ میں تنہا سے محو ہو گیا ——— فیروز کو معلوم تھا کہ خالدی اس وقت کچھ نہ بتلائے گا۔ تاہم وہ پوچھ بیٹھا۔

"آپ اپنی مقصد کامیابیوں پر کچھ مغرور ہو گئے ہیں۔" فیروز نے اسے اکسانا چاہا۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ بیٹے خواہ تم کچھ کہہ لو" خالدی حسب دستور مسکراتے ہوئے کھیلتا رہا۔"

"میں اور کچھ نہیں پوچھنا چاہتا صرف یہ بتا دیجئے کہ آج دن بھر کہاں رہے اور کیا کیا کرتے رہے" اس نے بچوں کی طرح ضد کی۔

"بس شہر کی خاک چھانتا رہا اور کچھ نہیں" خالدی نے اسے ٹرخا دیا۔

"آپ کی یہ خوشی اس امر کی غماز ہے کہ آپ کسی نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں ——— آپ نہ بتائیے مگر وہ کچھ کہتے کہتے دانستہ رک گیا۔"

"میں اس فکر کا مطلب نہیں پوچھوں گا ——— اور ہاں دیکھو اب تم میری آمد سے قبل کہیں مت جانا۔" خالدی نے تاکید کی۔"

"مگر یہ ہمارے چیف کو آپ نے اس بڑھاپے میں کس عذاب میں ڈال دیا ——————— میں اس وقت سے فکرمند ہوں" فیروز نے کہا۔

"میرے ننھے چھوکرے ان سے کل مل لینا" یہ کہکر خالدی اٹھ گیا۔ کیونکہ اسے تیاری کرنی تھی ———

پُراسرار تہہ خانہ

دوسرے دن صبح ابھی فیروز بیدار ہی ہوا تھا کہ ٹیلیفون کی متواتر گھنٹیوں نے اسے الجھا لیا۔

ہیلو ...... جی میں سارجنٹ فیروز بول رہا ہوں ...... جی نہیں وہ ابھی ابھی کہیں باہر گئے ہیں ......

کیا ؟؟ اوہو ...... اچھا میں ابھی آیا ——— اس نے فون رکھ دیا۔ اور جلدی جلدی تیار ہو کر بغیر ناشتہ کئے ہی چل دیا۔ آج خالدی کی بیوک اس کے دست تصرف میں تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ اس لئے سڑکوں پر ٹریفک بھی زیادہ نہ تھا۔ اس لئے فیروز کار کو نہایت تیز رفتاری سے چلا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تاج منزل پہنچ گیا۔ تاج بابا ڈرائنگ روم میں علی جان وغیرہ کے جھرمٹ میں سر تھامے بیٹھے تھے۔ فیروز کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سب کی نظریں

اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اور رعنانے بڑھ کر اس کی پیشوائی کی۔

"کیا بات ہے؟" فیروز نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا؟

"جی رات بڑا غضب ہو گیا۔ کسی ظالم نے بھائی صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ وہ تو کہئے خیریت ہوئی کہ ذرا سا ہاتھ چوک گیا، ورنہ آج ہم ایک طرح سے یتیم ہوتے" علی جان نے اسے بتایا۔"

"یعنی آپ یتیم کیوں ہوتے ——— ذرا تفصیل سے بتایئے آخر آپ نے حملہ کیوں کیا۔ اور ہاتھ کیوں چوک گیا؟" فیروز بمشکل حماقت کا دورہ پڑا۔"

"میں نے حملہ کیوں کیا!" اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا "آپ بھی عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی آپ کی بات کا کوئی تک بھی ہو" علی جان نے ترشروئی سے کہا۔"

"دیکھئے حملہ تو میں نے کیا، ورنہ آپ بھی منکر ہیں تو بتایئے کس نے حملہ کیا ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ کون ہو سکتا ہے۔" فیروز نے کہا"۔ اور اس کے جملہ پر رعنا وشفیق وغیرہ سب کی نگاہیں اسے دیکھنے لگیں۔

"میں کہتا ہوں آپ کو اس معاملے میں ہمدردی کس نے کیا ہے" علی جان نے اس کا مضحکہ اڑایا۔"

"تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ شاید آپ نا واقف ہیں" اس نے سنی ان سنی کر دی۔"

"کیا پہلے آپ وہ کمرہ دکھا سکتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی ضرورت نہیں" علی جان نے ناراضگی سے کہا"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ کچھ جانتے ہیں جسے مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"اوہو! آپ لوگ تو لڑنے لگے" شارق یا مسلسل خاموشی کے بعد بولے "ارے

بھئی دکھا دو نا انھیں میرا کمرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اچھا بیٹی رعنا تم چلی جاؤ۔

رعنا فیروز کو شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی اٹھی۔ اور فیروز اس کے ساتھ چلا۔

"آپ نے میرے والد کی بے عزتی کی ہے۔" رعنا نے باہر کمرے کو اٹھ کر پوچھتے ہوئے کہا"

"تو گویا آپ رعنا صاحبہ والی ہیں ——— دیکھئے میرے منہ سے غلطی سے ایک جملہ نکل گیا۔ اس پر وہ بگڑ گئے۔ اور اس کے بعد میں نے اپنی غلطی کو نبھانے کے لئے دو ایک غلطیاں کیں لیکن اس سے یہ مطلب لینا کہ میں نے دانستہ ان کی بے عزتی کی ہے یہ سراسر زیادتی ہے آپ جانتی ہیں کہ برتا رڈرشا نے کیا کہا ہے اس کے بارے میں" فیروز نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا ہے؟" رعنا نے پوچھا"

"کہا ہے کہ "شادی شدہ زندگی ذہنی جنت ہے" آپ بھی شادی جلد کر لو" فیروز نے خشک منہ سے کہا"

"اف خوہ آپ بھی بس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" رعنا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

فیروز نے شوخ نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ وہ خوابگاہ میں داخل ہوا۔ مسہری کا بستر شکن آلود تھا۔ اور تکیہ پر ایک بڑا سا چاقو گھسا ہوا تھا۔ اس نے کوٹ کی جیب سے ایک ڈبیہ نکالی۔ وہ اس کا ہر سے ایک پوڈر نکال کر چاقو کے دستہ پر چھڑکا اور دیر تک اسے محدب شیشے سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے رومال ڈال کر چاقو نکال لیا۔ اور اسی میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا

"یہ آپ نے کیا کیا؟" رعنا نے دلچسپی سے پوچھا"

"میں نے قاتل کو جیب میں چھپا لیا ہے ——— مگر یہ تو بتایئے کہ آج آپ سیر کو نہیں جائیں گی۔" فیروز نے پوچھا"

"بھلا ایسے حالات میں گھومنا کسے سوجھتا ہے" رعنا نے کہا"

"اچھا تو چلو باہر کار کھڑی ہے ذرا سمندر کی ہوا کھالیں۔" فیروز نے اسے باہر دھکیلتے ہوئے کہا"

فیروز اسے لیے ہوئے ملاقاتی کمرے میں پہنچا۔ اور سوائے علی جان کے سب کی نگاہیں اس کی طرف سوالیہ انداز میں اٹھ گئیں۔

"اب میں میکر کو نہیں چھوڑوں گا ـــــ یہ اسی کا کام ہے" فیروز نے تیز لہجے میں کہا"

"ہاں اب تم صحیح راستے پر پہنچے ہو ضرور اس میں اسی کا ہاتھ ہے" علی جان نے جیسے تائید کی۔ اور فیروز اسے تیز نگاہوں سے گھورنے لگا۔ اور علی جان تجربہ کار ہو کر تاج بابا کی طرف دیکھنے لگا"

"کون میکر اس کا میرا واسطہ کیا ؟" تاج بابا نے کہا"

"شہر کا ایک بہت بڑا بدمعاش . . . . . کیوں چچا جان یہی نا ؟" اس نے علی جان کو مخاطب کیا"
"مجھے علم نہیں بیٹے کہ یہ میکر کون ہے اور کیا بلا ہے مگر ہاں تمہارے کہنے پر میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ تم شاید کچھ ٹھیک سوچ رہے ہو" علی جان نے صفائی پیش کی"

"اچھا میں رعنا بیگم کو ذرا سا گھمانے لیے جا رہا ہوں ابھی واپس آ جاؤں گا" فیروز نے اجازت لی۔

"ہاں ہاں بھلا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے رعنا پسند کرے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

فیروز رعنا کو ساتھ لیے کار میں آ بیٹھا اور جونہی اس کی کار پھاٹک سے نکلی کہ قریب ہی کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ اور کچھ دیر بعد ایک سیاہ رنگ کی کار انکی کار کو پاس کرتی ہوئی تیزی سے گذر گئی۔ فیروز اپنی خوشی میں کھو کر آہستہ خرامی سے چلا رہا تھا۔ قریب کی نشست پر رعنا بیٹھی ہوئی صبح کے خوشگوار جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

فیروز کی کار آہستہ آہستہ ہٹل روڈ کی آخری حدوں کو چھونے لگی۔ جہاں سے کچھ دور ماہی گیروں کی بستی تھی۔

بنگلوں اور کوٹھیوں کے سلسلے ختم ہوتے ہی ہٹل روڈ دو شاخوں میں بٹ جاتا تھا جن میں ایک تو ماہی گیروں کی بستی کو جاتا تھا۔ اور دوسرا ساحل کو ـــ فیروز نے اپنی کار اسی راستے پر ڈال دی سڑک کے دونوں طرف سفید اور چمکدار ریت کے تودے تھے جنہیں کہیں کچھ سوکھی گھاس بھی اگی ہوئی تھی۔ اور سامنے کھلا ہوا نیلا سمندر جو حد نظر پر آسمان سے ملکر ایک متوازی لکیر کھینچ رہا تھا جس وقت یہ لوگ کار سے اتر کر سمندر کے کنارے پہنچے تو انہیں وہی سیاہ کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اور کچھ فاصلے پر دو آدمی ان کی طرف پشت کئے بیٹھے تھے۔ فیروز نے ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور وہ رعنا سے باتیں کرتا ہوا سمندر کے بالکل کنارے پہنچ گیا اور پھر دونوں پانی کی گھٹتی بڑھتی ہوئی لہروں میں گم ہو گئے ـــ وہ دونوں کافی دیر تک ان موجوں سے کھیلتے رہے۔ کہ یکایک فیروز کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے کچھ خطرہ محسوس کیا اور جیسے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس پر کوئی جھپٹا اور اس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے اس کے سر سے کوئی سخت چیز ٹکرائی تھی۔ اور دوسرے ہی لمحہ اس نے رعنا کی چیخ سنی پھر اس پر غشی طاری ہو گئی۔

وہ نہ جانے کب تک بیہوش رہا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو آرام دہ کمرے میں پایا ـــ

"میں کہاں ہوں" اس نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے پوچھا"

"آپ اپنے دوستوں ہی میں ہیں گھبرائیے نہیں" ایک باریک اور سریلی آواز آئی"

فیروز نے سر کو خفیف سی جنبش دیکر اسے دیکھنا چاہا"

"آں ہاں ایسے نہیں آپ کے سر میں زخم ہے" ایک سفید پوش نرس نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا "آپ ایک گھنٹے بعد اپنے چلنے کے قابل ہو سکیں گے۔"

"نہیں میں مر جاؤں گا" فیروز نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "کیوں؟"

"آپ کی وجہ سے" فیروز نے منہ بسورتے ہوئے کہا جیسے وہ ابھی رو دے گا"

"میری وجہ سے کیوں؟ بھلا میں نے کیا کیا ہے!" اس نے حیرت سے کہا۔

"آپ اتنی اچھی جو ہیں ــــ کیا یہ نازک ہونٹ، غزالی آنکھیں، ترچھے ابرو اور یہ بل کھاتی ہوئی زلفوں کی لٹ موت کا سامان نہیں" اس نے ندیم صہبائی کے کسی صفحہ کا خاکہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

"ہش۔۔۔۔ یہاں ایسی باتیں کرنا جرم ہے" اس نے سہمی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔۔۔۔ یہاں کا کیا مطلب۔۔۔۔ کیا یہ کوئی دوسری دنیا ہے" فیروز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں یہ دوسری دنیا ہے جہاں حسن کوئی چیز نہیں، جہاں عورت کی کوئی قیمت نہیں جہاں کی لغت میں عزت، عفت، اور عصمت کے کوئی معنی نہیں یہاں عورت صرف ایک کھلونا ہے ایسا کھلونا جس سے مرد جب تک دل چاہے کھیلیں اور پھر بیدردی سے توڑ دیں" اس نے رندھے ہوئے گلے سے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اس کے اندرونی درد و کرب کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔

"تو آپ کسی اور جگہ کیوں نہیں چلی جاتیں" فیروز نے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد اس سے مزید معلومات کے لئے سوال کیا۔

"یہ اپنے بس کی بات نہیں" اس نے کہا۔

"کیوں؟"

"ارے بابا میں کیسے سمجھاؤں یہ وہ دنیا نہیں جہاں سے آپ آئے ہیں" اس نے کہا۔

"تو آخر بتاتی کیوں نہیں کہ یہ کونسی دنیا ہے اور اس کا خدا کون سا شیطان ہے؟" فیروز نے پوچھا۔

"یہ تہہ خانہ کی دنیا ہے اور یہاں کا خدا میکر ہے جو کہ اپنی ذات سے تاہم غنیمت ہے۔ لیکن چوہدری یعنی نائب خدا۔۔۔۔ اف توبہ ہے اس ظالم سے۔۔۔ درندہ کہیں کا۔۔۔ اسی لمحہ کمرے میں لگی ہوئی گھنٹی بجی، اور وہ فوراً چلی گئی اور کچھ دیر بعد پھر اندر داخل ہوئی۔

"کیا آپ کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کیا اسے بھی بدمعاش لے آئے ہیں؟" فیروز نے پوچھا۔

"لائے تھے مگر میکر نے واپس بھجوا دیا ــــ اور شاید یہ اس تہہ خانہ کی دنیا کا پہلا واقعہ ہے کہ ایک لڑکی یہاں آنے کے بعد واپس گئی ہے۔ کم از کم جب سے میں یہاں لائی گئی ہوں تب سے یہ پہلا واقعہ ہے" اس نے بتایا۔

"آپ کو آئے کتنا عرصہ ہو گیا؟" فیروز نے پوچھا۔

"یہی کوئی ڈیڑھ سال" اس نے بتایا۔

فیروز کچھ اور کہنے چلا تھا کہ کمرے کی گھنٹی کے شور میں اس کی آواز دب گئی۔

"لیجئے نائب خدا آپ سے ملنے آ رہے ہیں" اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

ایک لمبا چوڑا سیاہ فام شخص اندر داخل ہوا۔ جس کی نچلی ٹھوڑی حد سے زیادہ بڑی تھی۔ اور یہ خصوصیت اس میں اس قدر نمایاں تھی کہ وہ ہزاروں میں بھی پہچانا جا سکتا تھا۔ ناک کے نیچے ہٹلری مونچھیں مکھی کی طرح چپٹی ہوئی تھیں، بھنویں اوپر کو تنی ہوئی اور آگ برساتی ہوئی سرخ آنکھیں اسے اجتماعی طور سے بڑا بھیانک بنائے ہوئے تھیں ــــ اس نے قریب پہنچ کر ہاتھ میں تھامے ہوئے ہنٹر کو چٹخارا جیسے وہ اس کا سلام ہو۔

"کہو سراغرساں کتے کیا حال ہے؟" اس کی بے ہنگم آواز گونجی۔

فیروز اس کا جملہ سن کر ادھر ادھر اور پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ گرجا۔

"سراغرساں کتے کو دیکھ رہا ہوں، میں تو سمجھتا تھا کہ شاید انسان ہی سراغرساں ہیں، مگر جناب بھی بڑے باکمال ہیں کہ کتے کو سدھا لیا" اس نے کہا۔

"بہت چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہو لیکن یہ اکڑ فوں دو دن میں نکل جائے گی" اس نے ہنٹر کو پٹخ کر کہا۔

دیکھئے بھائی دو دن میں نکلے یا دو گھنٹے میں لیکن خدا کے لئے یہ اپنا کوڑا الگ رکھئے

اس نے کہا "

دراصل ایک بار میری نادرہ جہاں زاد دیر ہی تھیں کہ بالکل آپ کے ہنٹر جیسا سانپ نکل پڑا، اور انہیں کاٹ لیا۔ جس سے ان کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ تب سے میں اس قسم کی چیزوں سے بہت ڈرتا ہوں۔۔۔ " فیروز نے سہمے ہوئے لہجہ میں کہا "

یہ چیز تو ایسی ہے تم تو تم بڑے بڑے سورما اس سے گھبراتے ہیں۔ بہر حال تم ہو بڑے پرمذاق آدمی اچھا آؤ میرے ساتھ ——— میں تمہیں اپنی دنیا دکھاؤں۔

اچھا کہہ کے فیروز پلنگ سے اٹھ گیا۔ چودھری اپنا ہنٹر جھلاتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔ اور فیروز اس تہہ خانہ کی دنیا کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت ہوا جا رہا تھا۔ بڑے بڑے خوبصورت ہال یکے بعد دیگرے کئی بنے چلے گئے تھے۔ ایک طرف چھوٹے چھوٹے کمروں کی قطار تھی ہالوں میں صوفے، دیگر سامان اور کون جو بنا میزیں بچھی ہوئی تھیں، جن پر سوفٹ کوئی متنفس نہ تھا، وہ رو رنگ کرسیوں اور میزوں کا جال پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔ اور آخر پر ایک اسٹیج بنا ہوا تھا۔

چودھری اپنے مخصوص انداز میں فیروز کو ساتھ لئے باہر نکلا۔ اور دیر تک اپنی دنیا دکھاتا رہا۔ اور سب سے آخر میں وہ ان بند کمروں کی قطار کی طرف گیا۔ جسے فیروز بہت دیر تک سے دیکھ رہا تھا۔

جانتے ہو ان کمروں میں کیا ہے؟ " اس نے فیروز سے پوچھا " ——— کیا؟

چلتے پھرتے ہنستے بولتے اور جیتے جاگتے حسین کھلونے۔۔۔ دیکھو گے۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔

یہ دیکھو: اس نے بے ہنگم قہقہہ لگاتے ہوئے ایک کھڑکی کا پردہ ہٹایا ——— فیروز نے دیکھا اندر تین چار مسہریاں لگی تھیں۔ جن پر عورتیں پڑی سو رہی تھیں۔ " اس نے نگاہیں ہٹا لیں "

" کیا تمام کمروں میں عورتیں ہیں۔ " فیروز نے پوچھا "

ہاں۔۔۔ کہہ کر اس نے پردہ برابر کر دیا اور پھر آگے بڑھ گیا ——— اس وقت ہماری دنیا میں رات ہے تقریباً تین گھنٹے بعد یہاں دن نکل آئے گا۔ اس وقت یہاں کی بہار دیکھنے کے قابل

ہوتی ہے۔۔۔ ارے ہاں وہ تمہارا دوسرا آدمی تو بڑے کام کا ہے۔۔۔ " چودھری بڑبڑایا "

ہاں ہاں کیسے کام کا؟ " فیروز نے پوچھا "

صاحب بتا رہے تھے کہ وہ جیری کا ماہر ہے۔ اور میک اپ بھی اچھا خاصا کر لیتا ہے۔۔۔ مگر یہ بڑا سور کسی طرح راضی ہی نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ بڑا ضدی ہے مگر جب بہ زور نہ مانا تو پھر عذاب نگر کی سیر کرائی گئی۔ اور اب وہ شاید صاحب کا میک اپ کر رہا ہو۔

فیروز نے چیف انسپکٹر طفیل اقبال کے بارے میں سنکر بہت فکر تھا اس کا دل چاہا کہ اس کا اتہ پتہ پوچھے مگر مصلحت۔۔۔ اس کی باتوں سے فیروز نے اندازہ لگایا کہ یہ شخص نرا جاہل اور وحشی بازاری ہے وہ دیر تک فیروز کو اپنے سابقہ کارنامے سناتا رہا۔ اور فیروز جان بوجھ کر اپنے بچکانہ جملوں سے اسے ہنساتا رہا۔ اس اثنا میں وہ برابر اپنی گھڑی دیکھتا رہا۔

اچھا میاں اب تو میں چلتا ہوں اپنی ڈیوٹی پر کیونکہ صبح ہونے والی ہے۔ اور ٹھیک ساڑھے چھ بجے ہمارے یہاں صبح ہو جاتی ہے۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو طلعت سے مانگ لینا۔ یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی۔ اور کچھ دیر بعد وہی نرس کمرے میں داخل ہوئی۔

دیکھو طلعت ان کا خیال رکھنا کسی قسم کی تکلیف نہ ہو یہ کہہ کر وہ نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تو کمرے پر سکوت طاری رہا اس کے بعد فیروز نے طلعت کو مخاطب کیا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ ہال میں جا بجا لاؤڈ اسپیکر کیوں لگے ہیں اور یہیں یہاں تمہارے کمرے میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ " اس نے پوچھا " ——— دراصل یہ اس لئے لگائے گئے ہیں کہ اس کے ذریعہ نگری کی اہم اطلاعات، اعلان، یا پیغام دینا ہو تو اس سے سب کو فوراً اور ایک ساتھ معلوم ہو جاتا ہے اور اس سے روزانہ ساڑھے چھ بجے ہمارا قومی نشان میں اعلان ہوتا ہے، اس تہہ خانے کا قومی نشان سنایا جاتا ہے۔

قومی نشان؟؟ ——— اور سنایا جاتا ہے میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ " فیروز نے حیرت سے پوچھا " ——— جی ہاں ہمارا قومی نشان قہقہہ ہے۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور یہ قہقہہ اس وقت بھی سنایا جاتا ہے جب کسی کو شوٹ کیا جانا ہو۔ یا سنسنی یا وہ خطرناک حالات پیدا ہو جائیں

"ہم اس کو خونی قہقہے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"ہونہہ ۔۔۔ اچھا یہ شوٹ کیوں کیا جاتا ہے کسی کو؟" فیروز نے بال کی کھال نکالی ۔۔۔

"ہمارے یہاں قاعدہ ہے کہ کوئی بھی حکم عدولی نہ کرے۔ اور جس نے اس قاعدے کے خلاف یہاں کی زندگی میں تین بار حکم عدولی کی اسے شوٹ کر دیا جاتا ہے۔" فیروز ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہیں دور سے آنیوالی گھنٹیوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اور وہ سوالیہ نگاہوں سے طلعت کو دیکھنے لگا ۔۔۔ "ہیڈ کی بیٹھک کھل گیا۔ اور مہمان اندر داخل ہونا شروع ہو گئے۔ یہ آواز بیٹھک کھلنے کی تھی۔" طلعت نے بتایا ۔۔۔ "اچھا تو میں باہر چلوں ذرا آپ کے یہاں کی صبح تو دیکھ لوں" فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

خونی قہقہے

فیروز کافی دیر تک ہال کے دلچسپ مناظر میں کھویا رہا۔ لیکن اس کا دماغ خالدی کے ان الفاظ میں الجھا ہوا تھا۔ کہ کل کچھ کرتے رہیں مل جائیں گی اور پرسوں ذرا بے چینی ہوگا ۔۔۔ اس کے دماغ میں یہ الفاظ مسلسل سے چلا رہے تھے ۔۔۔ اور اس کے دل کو پختہ یقین تھا کہ خالدی ضرور کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچنے والا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس نے چودھری دبیر سے کافی مکمل کریات کی تھی۔

پورا ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا لیکن ان کے بیچ میں بنے ہوئے برج نما کیبن کی اندرونی نشست بے سنی رخالی تھی۔ اور فیروز کی نگاہیں بار بار اس طرف اٹھ جاتی تھیں اس کے اندازے کے مطابق وہ یقیناً میکر کی نشست گاہ تھی۔ اور بہت جلد اس کے خیال کی تائید ہو گئی ۔۔۔ ایک نہایت الارم

کی آواز کے ساتھ ہی میکر ایک نہایت قیمتی سوٹ میں ملبوس شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قریب کے ایک کمرے سے نکل کر اس برج میں آ بیٹھا جو سطح سے تقریباً چھ فٹ اونچا تھا۔

جانے پہچانے باسیکر کو اس کے اصل روپ میں دیکھ کر فیروز کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ چودھری نے اسے بتایا تھا کہ اس نے اپنا میک اپ کر لیا ہے ۔۔۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اس نے موقع میک اپ کر رہا ہو جسے بوقت ضرورت استعمال کرے لیکن بہرحال اس نے بہت جلد اس خیال کو ذہن سے نکال پھینکا۔ اور رفاقتی انداز میں ہو کر ہال کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا۔

میزوں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے وہ اپنے دائیں بائیں نظر ڈالتا جاتا تھا۔ جہاں تاش کے حقیر پتوں پر لمبی لمبی رقموں کا ہیر پھیر ہو رہا تھا۔ اور نیم برہنہ لڑکیاں ہر جیتنے والے کے پہلو سے پہلو ملائے داد دے رہی تھیں۔ انہیں تعلیم ہی یہی دی گئی تھی۔ اور جو ایسا نہیں کرتی تھیں۔ انہیں بڑی بڑی اذیتیں دی جاتی تھیں۔

وہ ایک میز کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے نظر ڈالی۔ تو ایک شخص نے اسے آنکھ ماری لیکن فیروز نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ ایک اور میز پر ایک بڑی مونچھوں والے نے آنکھ سے کچھ اشارہ کیا۔ اور وہ جھنجھلا کر دوسری طرف میز پر جھک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ آخر لوگ مجھے کیا لڑکی سمجھتے ہیں۔ اس نے دوسری طرف کی میز پر ہاتھ ٹیک دیئے۔ اور کھیل دیکھنے لگا۔ لیکن بہت جلد اس نے محسوس کیا کہ ایک کھردرا ہاتھ اس کے ہاتھ کو دبا رہا ہے۔ اس نے اس شخص کو دیکھا۔ تو اس نے بھی نگاہوں سے کوئی پیغام دیا اور اب فیروز کے کان کھڑے ہوئے ۔۔۔ یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا خالدی کا پروگرام تو نہیں پورا ہو رہا؟ یہ سوچتے ہوئے وہ خوشی سے ناچ گیا۔ اس کے بعد وہ چھپتا ہوا نظروں سے خاموش کرتا آہستہ آہستہ [illegible] بڑھتا رہا۔ اس اثنا میں اسے بہت سی جانی پہچانی نظریں بھی نظر آئیں لیکن اس نے [illegible] توجہ نہ دی۔ اور اپنے کام میں غور رہا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ میکر اس کی ایک ایک حرکات کو دیکھ رہا ہے ۔۔۔ اس سے وہ کسی قسم کا اظہار کئے بغیر اس تک جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ مبادا اسے کچھ ہو جائے ۔۔۔ وہ نکل گیا

—— درحقیقت وہ اس وقت بہترین اداکاری کر رہا تھا۔ اور اب وہ اس برج کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کہو میاں فیروز ہماری جنت پسند آئی تمہیں" میکر کی آواز گونجی "—— آہاہا ہا... کیا کہنے دل چاہتا ہے بس عمر یہیں پاؤں اور یہیں عمر بتا گزاروں واقعی جنت سے بھی۔ مگر یہ اونچ نیچ سمجھ میں نہیں آئی" فیروز نے شاید پہلی مرتبہ پڑھے لکھے تنقید فرما دی"

"وہ بھی بات ہے اچھا آؤ اوپر آ جاؤ" میکر نے مسکراتے ہوئے کہا"

فیروز اوپر پہنچ گیا۔ مگر یہاں صرف ایک نشست تھی اس لئے وہ ریلنگ کے سہارے ٹک گیا۔

"یقین جانئے حضور جی... اوہ معاف کیجئے میکر صاحب دل چاہتا ہے کہ یہیں رہ جاؤں ——

اچھا تو کیا تم واپس جانے کے لئے بے تاب ہو —— مجھے ایک مسخرے کی ضرورت تھی جو میرا دل بہلا سکے اس لئے اس شہر پر چھپے تم سے بڑھ کر کوئی نظر نہ آیا" میکر نے کہا"—— خاوری صاحب بھی یہی کہتے ہیں۔ اب آپ نہ سہی میں کیا سمجھا دوں گا... ذرا کیجئے کہاں گا" اس نے بالکل زنانے انداز میں کہا"

—— اچھا ذرا یہ تو بتا سکتے کہ کیا آپ کو الہ دین کا چراغ تو نہیں مل گیا ہے؟ —— کیوں؟ —— کیا مطلب میں سمجھا نہیں" اس نے کہا"—— مطلب یہ کہ اتنی بڑی عمارت سامان اور ہتھیاروں کو انسانی آخر انسانی بس سے تو باہر ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اتنا بڑا تہہ خانہ اور کسی کو معلوم بھی نہیں حتی کہ گورنمنٹ کو بھی علم نہیں کہ اس عمارت میں تہہ خانہ بھی ہے"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے اس تہہ خانہ کو جنوں ہی نے بنایا ہے" میکر نے کہا اور زینے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جہاں ایک شخص مودب کھڑا تھا —— کیا بات ہے صاف کہو یہ اپنے ہی آدمی ہیں" میکر نے اس سے کہا"—— نہیں حضور... یہ بات ایسی نہیں... ذرا کان میں سنئے" وہ لرزتی ہوئی آواز سے بولا" اور میکر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ فیروز نے دیکھا کہ اس کا رنگ پھیکا پڑتا جا رہا ہے"

"اچھا تم لوگ ترکیب نمبر ۵ پر عمل کرو —— جاؤ جلدی کرو میں وہیں ملوں گا" یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا —— اچھا فیروز صاحب دل تو چاہتا ہے کہ آپ کو بھون ڈالوں" اس نے غرا کر کہا "لیکن کاش ایسا نہ ہوتا" مگر آپ بے قصور ہیں البتہ میں خاوری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مگر خیر آپ تو بیچ دوراہے اکھڑ گئے" فیروز نے انجان بن کر حیرت سے کہا"

بہرحال دیر ہو رہی ہے اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں یہ کہہ کر اس نے جیب سے ہاتھ نکال لیا۔ جس میں ایک پستول جھلک رہا تھا —— ارے نہیں نہیں خودکشی بری چیز ہے اور حرام بھی ہے" فیروز نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا —— خبردار آگے مت بڑھنا ورنہ تمہارے سینے میں ڈیڑھ چھٹانک گرم سیسہ اتر جائے گا —— خودکشی بچے کیا کرتے ہیں —— ہٹ جاؤ پیچھے" یہ کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے نیچے جھکا اور ایک کھٹاکے کی آواز آئی اور دوسرے ہی لمحہ اس کی کرسی نیچے دھنس گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام ہال اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اور چیخوں کا طوفان امنڈ پڑا ہال میں فٹ لاؤڈ اسپیکر دستے فیتے پھوٹ پڑے... جونہی قہقہے —— قریب ہی کہیں خاوری کی تیز آواز اسے سنائی دی۔

"فیروز اسپیکر نکلنے نہ پائے۔" اس آواز کو سنتے ہی فیروز فوراً اس ہول میں کود پڑا۔ جس میں میکر مع کرسی کے غائب ہوا تھا۔ اور یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہوا تھا۔ فیروز نے گہرائی کا اندازہ کئے بغیر ہی کود پڑا تھا۔ لیکن وہ اس کی امید کے برخلاف دس بارہ فٹ ہی گہرا تھا۔ زمین پر پہنچتے ہی اسے میکر کی غراہٹ سنائی دی۔

"مورکھ لینے آئے ہو لو" "ٹھیک کہیں قریب ہی گرجا اور دھائیں" "ایک فائر ہوا اور گولی فیروز کے بائیں شانے سے اوپر ہوتی ہوئی نکل گئی۔ مگر فیروز فوراً ہائے کہہ کر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے میکر کے بھاگنے کی آواز سنی جیسے کوئی سنبھل سنبھل کر پکے فرش پر بھاگ رہا ہو اس نے محسوس کیا کہ اوپر کا سوراخ شاید اب بند ہو چکا ہے کیونکہ چیخوں کی بالکل مدھم مدھم آوازیں اس کے کان میں اس طرح آ رہی تھیں جیسے رات کے سناٹے میں میلوں دور کی آواز سنائی دیتی ہے۔

چند منٹ توقف کے بعد وہ اٹھا اور ٹٹولتا ہوا اسی طرف کو تیزی سے چلا جدھر میکر گیا تھا۔ یہ ایک ناہموار کچی سرنگ تھی جس میں ناہموار چھوٹے چھوٹے پتھر آ رہی تھی —— فیروز نہایت احتیاط اور تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میکر کہیں سرنگ کا دہانہ بند نہ کر دے۔ اور یہی ہوا جس کا اسے خطرہ تھا یعنی سرنگ آگے جا کر ختم ہو گئی تھی۔ اور اب وہ ایک دیوار کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے جلدی جلدی دیوار کو ٹٹولنا شروع کیا۔ سامنے کی دیوار پوری ٹٹول ڈالی اس کے بعد داہنے اور بائیں بھی مگر ناکام —— اب اس نے فرش ٹٹولا لیکن ناکام اس کے بعد اس نے چھت کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اسے بیچوں بیچ میں ایک کڑا لٹکا ہوا ملا۔ اور وہ اس میں لٹک

گیا ــ چرچراہٹ کی آواز گونجی اور سامنے کی دیوار آہستہ آہستہ ہٹنے لگی۔ اور اس کے پیچھے کی دیوار پوری ہٹی۔ وہ کسی چھپکلی کی طرح باہر نکل گیا۔ جہاں نم آلود ہوا اس کا استقبال کر رہی تھی۔ اور مچھلیوں کی سی بساند پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ سمندر کے کنارے کھڑا ہے۔ وہ فوراً لیٹ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میکر کو تلاش کرنے لگا۔ نیچے سمندر موجیں مار رہا تھا۔ اور یہ ایک اونچی جگہ پر پڑا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اوپر کھسکتا ہوا کنارے تک پہنچ گیا۔ جو چھوٹے چھوٹے پتھروں کی طرح سے کچھ بنی ہوئی تھی۔ اور اسی کے قریب بہت سے کیکڑے یہاں چھوٹے سے اندر جا کر گم ہو گئی تھیں۔

فیروز تھوڑی دیر تک سمندر میں نظریں گاڑے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اسے گڑگڑاہٹ کی آواز نیچے سے آتی معلوم ہوئی۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ اسی لمحے ایک اسٹیمر اس کے نیچے سے برآمد ہوا۔ اور فیروز ایک منٹ ضائع کئے بغیر اس پر کود پڑا۔ وہ عین میکر کے اوپر گرا۔ اور وہ اس کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اس لئے فیروز سے الجھتے ہوئے گھٹنوں پر آ رہا۔

یہ ایک کھلی ہوئی تیز رفتار کشتی تھی جس میں موٹر فٹ کیا گیا تھا ــ فیروز کے اس طرح اچانک حملے سے میکر بھی گر گیا تھا۔ اور کشتی کا موٹر اسٹارٹ تھا۔ اس لئے وہ ایک ہی سمت بہتی رہی اور دونوں آپس میں گتھ گئے۔ میکر یا جاندار پہلوان کا کسرتی بدن تھا۔ اور یوں بھی وہ فیروز سے کافی تندرست اور طاقتور تھا۔ لیکن فیروز بھی کسی موم کا بنا ہوا نہ تھا۔ فیروز نے گھونسوں، ٹکروں اور ٹھوکروں سے اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ سنبھل سکے یا اپنا پستول نکال سکے۔ مگر اب وہ بے دم ہو چکا تھا اس نے اندازہ کر لیا کہ کشتی بالکل سیدھی جا رہی ہے اور یہ چیز بڑی خطرناک تھی۔ اس نے لڑتے لڑتے ہینڈل کو دوسری سمت موڑ دیا۔ اور کشتی کا رخ مڑ گیا۔ میکر اسے ابھی بری طرح پیٹ رہا تھا اور کئی بار تو وہ کشتی سے باہر گرتا گرتا بچا۔ وہ میکر کو پکڑے کشتی میں دوڑ دوڑ کر پھیر رہا تھا۔ ایک بار میکر نے اسے اس زور کا گھونسہ رسید کیا کہ اسے چکر آ گیا۔ ٹھیک اسی وقت تڑاخ کی آواز ہوئی اور کشتی کسی چیز سے ٹکرا کر الٹ گئی۔

جب فیروز کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اپنے کمرے میں پایا۔ پہلے پہلے تو اسے یقین ہی

نہ آیا۔ لیکن جب اس نے قریب ہی خالدی کو بیٹھے دیکھا جو چیف انسپکٹر مسٹر اقبال اور پولیس انسپکٹر ظفر سے گفتگو میں مصروف تھے تو اسے یقین آیا ــ "کہو طبیعت کیسی ہے چھوٹے" خالدی نے اسے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

"چھوڑئیے طبیعت کو جہنم میں جائے جب جان کا خطرہ ٹل گیا تو ہماری محنت بیکار رہی" فیروز نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں وہ حوالات کی سیر کر رہا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اس کے تمام گرگے اور وہ چودھری کا بچہ بھی گرفتار ہو گیا ہے۔" "اچھا! ــ مگر کس طرح ذرا تفصیل سے بتائیے۔ میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا" فیروز نے حیرت سے کہا۔ "میں کشن گڑھ سے رات کو حاضر ہوا" خالدی نے بتانا شروع کیا "تو یہاں فون پر پتہ لگا کہ تم رعنا کو اغوا کرنے گئے ہو۔ اس کے بعد کوئی ایک بجے رعنا واپس آ گئی۔ اور میں سمجھ گیا کہ تم کہاں ہو۔ مگر ہمارا تو پروگرام ہی کل شب وہاں چھاپا مارنے کا تھا ــ سب انتظامات مکمل تھے۔ شام ہوتے ہوتے یہاں کچھ گیٹ پاس کوبری کے مستقل ممبروں سے دستیاب ہو گئے تھے۔ اور میں سادہ پوشوں کو لیکر پہنچ گیا۔ ظفر صاحب کو گیٹ پر چھوڑ دیا تاکہ چودھری کو سنبھال سکیں اور باقی حالات تمہیں معلوم ہیں تم بتاؤ کہ کیا ہوا" خالدی خاموش ہو گیا ــ "نہیں پہلے یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے اس غار میں کودنے کا حکم دیا۔ اور آپ کہاں گول ہو گئے ــ اور یہ کہ میکر اور میں کہاں اور کس طرح ملے" فیروز نے کہا۔ "ارے بھئی تمہارے کودتے ہی وہ غار بند ہو گیا۔ اور اس وقت ایسی افراتفری تھی کہ لاکھ سر پٹخ دیا مگر راستہ نہ ملا۔ بہرحال میں گرفتاریوں میں لگ گیا۔ اور خدا کا شکر ہے کسی نے مقابلہ نہ کیا۔ کیونکہ اس میں صرف آٹھ شخص تنخواہ دار ملازم تھے۔ اور باقی یا تو مہمان تھے یا لڑکیاں۔ پھر میں نے ظفر کو وہیں چھوڑا اور دس سپاہیوں کو لے کر باہر نکلا۔ اور تقریباً ایک گھنٹے تک تلاش کے بعد چیف صاحب کی آواز سنی اور جب جا کر دیکھا تو چاروں طرف شور مچا ہوا پڑا تھا۔ اور تم بھی ایک طرف بیہوش پڑے تھے ــ ہاں محترم چیف صاحب اب آپ زحمت کریں" فیروز نے بڑے ادب سے گزارش کی اور چیف کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

میاں تو پہلے ہی گرفتار میک ہو گیا تھا۔ وہ اس بات پر مصر تھا کہ اس کا میک اپ کر دوں مگر میں تیار نہ تھا اس لئے ایک ترکیب اس نے سمجھانے میں صرف کیا۔ دوسرے دن بڑی سختی کی اس لئے میں نے اسے ٹالنے کے لئے موونگ میک اپ کا مشورہ دیا۔ لیکن جب میک اپ کی چابی میں نے تیار کر دی۔ اور وہ پسند کر کے چلا گیا تب اس کا ایک ملازم آیا اور مجھے بہانے سے ایک جنگلے پر لے جا کر بٹھا دیا۔ اور وہ جنگلہ پیسے تختے کی طرح ہٹ گئی اور میں نیچے گر پڑا۔ دراصل وہ مجھے اس طریقے سے مارنا چاہتے تھے تاکہ اس کے میک اپ کا راز راز ہی رہے مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ ایک کنواں تھا جو سمندر میں گرتا تھا۔ انہوں نے سمجھا تھا کہ یہ راستے میں ٹکرا کر یا تو مر جائیگا یا پھر بیہوش ہو کر نیچے پانی میں ڈوب جائیگا ۔۔۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ مجھے نیچی لگا دینے سے کافی چوٹ آئی لیکن فوراً پانی میں پہنچنے سے آنکھ کھل گئی۔ اور میں تیرتا ہوا خشکی پر نکل گیا۔ مگر وہاں پہنچ کر میں نہ سنبھل سکا اور بیہوش ہو گیا۔

پھر رات میں آنکھ کھلی اور ابھی میں ذرا ہوشیار ہوا ہی تھا کہ تمہاری کشتی تیزی سے آئی اور اسی کنوئیں کے کھمبوں سے ٹکرا کر الٹ گئی جس سے جانز میرے نزدیک ہی پانی میں آ گرا جب میں نے اسے نکالا تو وہ بیہوش تھا۔ بہرحال میں نے پہچانتے ہی اسے ٹائیوں سے باندھ دیا اور پھر تم تینوں کو نکالا۔ اور اس کے بعد وہ دم پیچھے ڈگا کیونکہ اکیلا میں تھا اور تم دو۔ الغرض پھر خالدی صاحب آ گئے۔ اور ہم لوگ یہاں پہنچے ۔۔۔ اچھا چیف صاحب اب آپ چلئے اس وقت تو بجا ہے انشاء اللہ ایک بجے قاتل آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا جائیگا ۔۔۔ لیکن آپ اتنا حتمی طور سے کیسے کہہ سکتے ہیں خالدی صاحب، چیف نے کہا"

جی ہاں قاتل میرے ہاتھ میں ہے میرے پاس ثبوت اب بھی ہیں کہ میں ذہن میں اسے قبول کروں مگر میں اسے ایک زندہ حقیقت سے بدلنا چاہتا ہوں "خالدی نے کہا" ۔۔۔ یعنی ابھی قاتل باقی رہ گیا۔۔ "وہ بھی ایک ہی رہی سب گرفتار بھی ہو گئے اور قاتل باقی ہے" فیروز نے آنکھیں مٹکا کر کہا "۔۔۔ ہو لہذا اٹھو جلدی تیار ہو جاؤ ڈراپ سین کے لئے۔ فیروز بغیر کچھ کہے اٹھ کر غسل خانہ چلا گیا اور چیف صاحب بھی چلے گئے۔ صرف انسپکٹر ظفر رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد فیروز تیار ہو کر آ گیا۔ اور خالدی نے کافی دیر تک آہستہ آہستہ کچھ سمجھایا اس کے بعد سب کے سب باہر نکلے خالدی اور ظفر تو بیوک پر بیٹھ گئے اور فیروز نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی۔ پھاٹک سے باہر نکل کر خالدی کی کار دوسری سمت چلی گئی اور فیروز ٹمپل روڈ کی طرف مڑ گیا۔

ڈراپ سین

کچھ دیر بعد فیروز تاج منزل میں داخل ہوا۔ تاج بابا اسے دیکھتے ہی بگڑ گئے۔ اور جانز کی گرفتاری پر برا بھلا کہنے لگے مگر اس نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ میں تو خود گرفتار ہو گیا تھا بھلا مجھے کیا معلوم آپ رعنا بیگم سے پوچھ لیں۔ اور رعنا نے اس کی تائید بھی کر دی۔ ادھر علی جان بڑے خوش تھے وہ فیروز کو اپنے کمرے میں لے گئے ۔۔۔ "یہ قتل ثابت ہو گیا" علی جان نے کہا "۔۔۔ اور کیا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس میں سوا اسی کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا" فیروز نے کہا "کیا بتاؤں اس لڑکے کی عادتیں ایسی خراب ہو گئیں کہ گھر ہی پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ افسوس ہوتا ہے" علی جان نے افسوس لہجے میں کہا "خیر جو خدا کی مرضی صاحب اس میں کسی کا کیا چارہ" "۔۔۔ ہاں میاں ہاں ٹھیک کہتے ہو" اس نے کہا "فیروز دیر تک علی جان سے گفتگو کرتا رہا۔ آخر رعنا نے اندر داخل ہو کر خالدی صاحب کی آمد کے متعلق بتایا اور وہ دونوں اٹھ کر ملاقاتی کمرے میں آ گئے جہاں تاج بابا موجود تھے۔ لیکن اب ان کا چہرہ شگفتہ تھا ۔۔۔ مجھے بڑا افسوس ہے خالدی صاحب کہ یہ میرے بھتیجے جانز ہی کی حرکت تھی"۔ علی جان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔"

"جی نہیں یہ اس کی حرکت نہیں تھی مسٹر ڈاکٹر صاحب"

"مسٹر بابا کو ۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں میرا نام علی جان ہے" اس نے گھبراتے ہوئے کہا "۔۔۔ دیکھو مسٹر قانون کی گرفت تم پر ہر طرف سے مضبوط ہو چکی ہے۔ اب تم بچ نہیں سکتے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خود ہی اقبال کر لو ورنہ ۔۔۔ "خاموش رہیے خالدی صاحب میں آپ کا احترام کرتا ہوں ۔۔۔ آپ کو اگر بات کرنے کا سلیقہ نہیں تو نکل جائیے" علی جان نے بگڑتے ہوئے کہا" ۔۔۔ اچھا تو تم یوں نہیں مانو گے۔ یہ کہہ کر اس نے جیب سے وسل نکال کر بجائی اور تھوڑی دیر بعد کمرے میں انسپکٹر ظفر داخل ہوئے جن کے ہمراہ ایک دوسرا علی جان تھا ۔۔۔ سب محو حیرت رہ گئے۔ دونوں کی شکلوں میں سر مو کوئی فرق نہ تھا۔ خالدی نے دیکھا کہ سابق علی جان

کا ہاتھ جیب کی طرف جا رہا تھا ۔۔۔ منصور رہا تھا اور پیر اٹھا تو وہ نہ کوئی ہتھیار بھیج اٹھا سکے گی۔ لیکن خالدی کے اس جملے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور اس نے جیب سے فوراً کوئی چیز نکالی کر منہ میں ٹھونس لی۔ اس کے بعد وہ بڑے بھیانک انداز میں قہقہے لگاتا رہا تھا۔ اس کا جبڑا پھیلا جا رہا تھا۔ اور منہ سے جھاگ چھوٹ رہے تھے۔ ہا ہا ہا ۔۔۔ میں منصور ہوں۔ علی جان کا ہمشکل بہت ہا ہا ہا ۔۔۔ ہی ہی ہی ۔۔۔ میں منصور ہوں ہا ہا ہا ۔۔۔ ہا ہا ۔۔۔ ہا ۔۔۔ !! تھوڑی ہی دیر میں وہ ختم ہو گیا ۔۔۔ یہ معاملہ کیا ہے۔ ذرا مجھے بھی بتائیے " تاج بابا نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی اور دوسرے کمرے میں موجود لوگوں کی نظریں سوالیہ انداز میں خالدی پر جم گئیں۔ رعنا تو حیرت سے فیروز کو تکتی بیٹھی تھی ۔۔۔ یہ مجھ سے بہتر علی جان صاحب بتائیں گے " خالدی نے کہا " مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ مجھ میں اور اس میں تمیز نہ کر سکے اور تو اور میری رعنا نے بھی نہ پہچانا ۔۔۔ بیٹی رعنا ادھر آؤ۔ رعنا اٹھ کر شرمائی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی ۔۔۔ تم نے تو میری پیشانی کے اس زخم کو دیکھا تھا اور پھر میں اتنا دبلا پتلا کبھی نہ تھا ۔۔۔ میں نے اس سے کہا تھا تو کہنے لگے کہ میں بہت سخت بیمار تھا اسی لئے ہندوستان چلا آیا ہوں۔ البتہ زخم کے متعلق پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی حالانکہ کئی بار میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی " رعنا نے کہا "

قصہ شروع سے سناؤ میاں " تاج بابا نے کہا "

یہ میرا ہمشکل منصور ہے کوئی بارہ پندرہ سال گزرے کہ ریل کے سفر کے دوران مجھ سے متعارف ہوا تھا۔ دراصل ہمشکل ہونے کی بنا پر میں نے اس کی دوستی قبول کی تھی۔ یہ سہارنپور کا رہنے والا تھا اور مجھ سے اکثر خط و کتابت ہوا کرتی تھی پھر میں جب ایران گیا تب بھی خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا جنہیں اکثر کہتا تھا کہ مجھے بھی لے جائیے۔ آخر جب میں آیا اور رعنا کو گلشن گڑھ چھوڑ کر واپس ہوا تو سہارنپور سے اسے بھی لیتا گیا۔ اور جب سے دو ماہ قبل تک یہ میرے ساتھ رہتا رہا اور رعنا کے خطوط کے جواب بھی یہی لکھا کرتا تھا۔

(اور مجھے اب محسوس ہوتا ہے) کہ یہ ہمیشہ میرے نجی معاملات کی چھان بین اس طرح

باتوں باتوں میں کیا کرتا تھا کہ میرا خیال کبھی کبھی اس طرف نہ گیا ۔۔۔ بہرحال یہ اسے کوئی دو ماہ قبل یہ وہاں سے چلا آیا اور یہاں یہ گل کھلایا۔

پرسوں خالدی صاحب کے بلاوے پر میں ہوائی جہاز سے آج صبح جا پہنچا تھا۔ اور ابھی ایک گھنٹہ ہوا ہے مجھے یہاں آئے ہوئے ۔۔۔ اور آتے ہی موذی کی موت دیکھی " یہ کہہ کر وہ چپ ہو رہے "

مگر خالدی صاحب بہتر ہو کہ آپ یہ بتا دیں کہ آپ نے کس طرح اندازہ کیا اور کیا کیا پاپڑ بیلے " تاج بابا نے کہا "

مجھے پہلے شک گزرا تھا کہ شاید اس میں جاوید کا ہاتھ ہو لیکن جب دن میں اس سے مل گیا اور وہ نہیں مل سکا اس دن دو آدمیوں نے ہمارا تعاقب کیا اور فیروز کو قمار خانے چلنے کی دعوت دی گئی اور یہی چیز مجھے کھٹک گئی۔ کہ کوئی دوسری پارٹی ضرور ہے جو ہمیں جاوید پہلوان کی طرف مخاطب کر کے پہلو بچانا چاہتی ہے ۔۔۔ لیکن وہ پارٹی کون سی ہے۔ اس وقت تک یہ معلوم ہو سکا تھا ۔۔۔

پھر رعنا نے فیروز کو بتایا کہ وہ اور علی جان (منصور) اسٹی مجسٹریٹ جوگیندر ناتھ کے یہاں دعوت پر گئے تھے ۔۔۔ اس بار کے سے میرا خیال علی جان (منصور) کی طرف منعطف کرا دیا کیونکہ تعاقب کے دوران جوگیندر ناتھ کی اس کار کے نمبر استعمال کئے گئے جو بیس یوم سے گیراج میں بند تھی۔ میں ان سے ملا اور انھوں نے بتایا کہ یہ علی جان تو ہے مگر ذرا بدل گیا ہے۔ انھوں نے اس نشان کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ جس سے میرا خیال پختہ ہو گیا کہ کچھ گڑبڑ ہے بہرحال پھر میں نے تہران سی۔ آئی۔ ڈی کو ٹیلیگرام کیا کہ وہ علی جان کے بارے میں بتائے اور چار گھنٹے بعد ٹرنک کال پر گفتگو ہوئی تو سارا بھانڈا پھوٹ گیا اور میں نے انھیں بلوا لیا ۔۔۔ ادھر جاوید پہلوان یا میکر صاحب بھی خود جال میں لپٹتے جا رہے تھے میں احتیاطاً گلشن گڑھ بھی گیا۔ اور تاج بابا سے چند الفاظوں میں پوچھ گچھ کی اور دوسرے

کبھی دیگر ذرائع استعمال کیے" خالدی خاموش ہو گیا۔

"مگر قاتل کا منشا کیا تھا — سب سے اہم پہلو تو یہ رہ جاتا ہے اور یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ قاتل یہی تھا" فیروز نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"ہاں اب سمجھداری کا ثبوت دیا ہے تم نے" خالدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ایک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ننھے ننھے بچوں کے جھرمٹ میں بیٹھا وہ کہانیاں سنا رہا ہو۔

"سنیے سوال ہے قاتل کا منشا۔ قاتل کو پہلے ہی علم تھا کہ تاج بابا نے گامو کو متبنیٰ کر لیا ہے اور چاند کو اپنی جائداد سے قانونی طور پر محروم کر دیا ہے۔ قاتل جب یہاں آیا تو اس نے کسی طرح اس ہوٹل کی ممبرشپ اختیار کر لی اور یہ معلوم کر لیا کہ اس کی پوزیشن کمزور ہے وہ جب چاہے گا پولیس کو اس کے پیچھے لگا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے گامو کو بدمعاشوں سے مل کر سائنائیڈ زہر سے ہلاک کر دیا۔ اور چاند پہلوان کے قہقہے کا مظاہرہ کیا اس کے بعد اس نے بدمعاش کو بھی ختم کر دیا تاکہ خود محفوظ ہو جائے — گامو کے بعد چاند پہلوان ایک معمولی کنکر تھا ان کے پیچھے پولیس کو لگا دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ منصور کی وجہ سے پولیس کو اتنے بڑے اڈے کا علم ہوا بہر حال اس کے بعد اس نے تاج بابا کو بھی صاف کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ ایسا کرتا اور اس کے بعد وہ ساری جائداد کا مالک ہوتا۔ اور پھر کون جانتا ہے کہ وہ بیچ باچ کر کسی اور ملک نکل جاتا۔

اب سوال ہے کیا قاتل منصور ہی تھا؟ منصور ایک عادی مجرم تھا۔ اور کئی بار کا سزا یافتہ اس کا ریکارڈ میں نے منگایا۔ اور دراز ہی میں نے اسے جانچا تجزیہ کہ یہاں سے جو انگلیوں کے نشانات ملے تھے وہ اس کے نشانات سے ملتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے جیب سے چار پانچ فوٹو نکال کر میز پر ڈال دیئے۔

"ان میں سے دو سہارنپور سے آئے ہیں اور ریٹن یہاں کے ہیں لیکن سب کے نشانات یکساں ہیں۔ علاوہ اس کے گامو سائنائیڈ سے ہلاک کیا گیا تھا اور یہ خود بھی سائنائیڈ سے مرا ہے۔

"خالدی یہ آپ ہی کا کام تھا کہ اس پیچیدہ مسئلے کو اس قدر آسانی سے سلجھایا اور ایک تیر سے دو شکار کیے" علی جان نے اسے داد دیتے ہوئے کہا۔

"کیا ایمبولینس آ گئی ظفر صاحب" خالدی نے پوچھا۔

"جی ہاں کافی دیر ہوئی" اس نے جواب دیا۔

"او تو پھر کیا انتظار ہے چلیے اٹھو" اسے یہ کہہ کر خالدی اٹھ گیا اور فیروز رعنا کو اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل کر بیوک پر جا بیٹھا کچھ دیر بعد رعنا آ گئی۔ اور برابر کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اور فیروز نے کار اسٹارٹ کر دی مگر ابھی موڑ ہی رہا تھا کہ خالدی آ گیا۔

"کہاں لیے جا رہے ہو کار کو" خالدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"آپ موٹر سائیکل پر چلے جائیے" فیروز نے کہا۔ اور رفتار تیز کر دی —

"آپ لوگ تو بڑے تماشے کے آدمی ہیں" رعنا نے گفتگو شروع کی۔

"جی ہاں اب آپ مٹھائی کب کھلا رہی ہیں" فیروز نے پوچھا۔

"مٹھائی کس سلسلے کی؟"

"آپ کے اصلی والد جو مل گئے" فیروز نے مسکرا کر جواب دیا۔

"او ہو — ہاں ہاں ابھی شادی کی ۔ ۔ ۔ ۔ یہ کہہ کر وہ ایکدم رک گئی اور شرما کر نظریں جھکا لیں۔

بالکل ایسے ہی جیسے کسی مصنف کا قلم لکھتے لکھتے رک جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ختم شد)